جلد ۱۷ عدد ۱۱ - ۱۲

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

دسمبر ۱۹۷۰ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر اعزازی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

★

یکے از مطبوعات

دارالاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ 1 (فون 69522)

فہرست مضامین

★ اعتذار ——— ادارہ ۱

★ تذکرہ و تبصرہ ———

★ کچھ اپنے بارے میں - - اسرار احمد ۲

★ گاہے گاہے باز خواں .... - " " ۶

★ تدبر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی ۷

★ تفسیر سورہ الاعراف (۶) - - - - ۱۷

★ یاد رفتگان ———

★ ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم پی-ایچ-ڈی ڈی-لٹ اسرار احمد ۴۹

★ تقریظ و تنقید ———

★ ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی آخری تالیف

حکمت اقبال - - پروفیسر محمد منور ۵۳

★ مقالات ———

★ ہندوؤں کی قومی تعمیر نو کے بعض اہم پہلو - پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★ تاریخ اسلام کے دور فتن کی واقعات نگاری - " " " " ۵۷

★ تاریخ تصوف اسلامی ——— پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★ خلاصہ مطالب کتاب اللمع (۲) - - - - ۶۵

★ تعارف کتب ——— ۷۶

★ الٹے بانس بریلی کو ★ اولیات صدیقی

★ فیصلہ هفت مسئلہ ★ سیرت نبوی کا پیغام

اعتذار

میثاق کا یہ شمارہ بھی کم و بیش انہی حالات میں شائع ہو رہا ہے جن کا تذکرہ گذشتہ چند شماروں میں کیا گیا۔ مستزاد ان میں یہ ہے کہ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب حج کے سلسلے میں سعودی عرب تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی واپس تشریف آوری تک 'میثاق' کی اشاعت میں کچھ مزید تعطل رہے گا۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی بخیر و خوبی واپسی کی دعا فرمائیں، تاکہ میثاق کے ذریعے تھوڑی بہت دین کی خدمت جو انجام دی گئی ہے وہ باقاعدگی سے ہو اور اہم یہ کہ جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مدظلہ کی تفسیر اپنے قارئین تک پہنچتی رہے۔

زیر نظر شمارے میں ڈاکٹر صاحب محترم کی ایک تحریر (میثاق جولائی ۱۹۶۸ء کی) شائع کی جا رہی ہے جس سے میثاق جاری رکھنے کے بارے میں ان کے جذبات و احساسات اور پیش نظر مقاصد واضح ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہی کی تحریر "پاکستان کی موجودہ سیاسی کش مکش" کے سلسلے کی (جولائی ۱۹۶۹ء سے دوبارہ) شائع کی جا رہی ہے۔ "گاہے گاہے باز خواں ....." کے عنوان سے۔

(ادارہ)

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

کچھ اپنے بارے میں

(تذکرہ و تبصرہ جو جولائی ۱۹۶۸ء کے شمارے میں شائع ہوا)

گذشتہ شمارے کے ساتھ راقم الحروف کے زیر ادارت 'میثاق' کے دو سال مکمل ہو گئے تھے۔ اور زیر نظر اشاعت سے تیسرے سال کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دو سال کی اس مدت میں 'میثاق' کے ذریعے اگر دین کی کوئی بڑی بھلی خدمت ہوئی ہے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے ——— اور اگر کسی کوتاہی یا غلطی کا صدور ہوا ہے تو وہ یقیناً میری نا اہلی اور شرارت نفس کی بنا پر ہے۔ آئندہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کی امید اور اس کے اس حتمی وعدے پر پختہ یقین کی بنا پر کہ :-

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم لازماً انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے۔

اس دعا کے ساتھ اس سفر کو جاری رکھنے کا عزم ہے کہ :

رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ (آمین)[1]

صحافت نہ تو راقم الحروف کا 'پیشہ' ہے اور نہ 'مشغلہ'

جہاں تک کسب معاش کا تعلق ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے وہ ذریعہ عطا فرمایا تھا جو سب کے نزدیک دنیا کا شریف ترین پیشہ ہے۔ پھر میرے بارے میں کسی نے چاہے اور

---

[1] "پروردگار ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی ہمت عطا فرما۔"

کچھ بھی کہا ہو، مجھ پر غبی ہونے کا الزام آج تک کسی نے نہیں لگایا ——— یہ بالکل دوسری بات ہے کہ اپنے دورِ تعلیم کے انتہائی اہم زمانے ہی میں ایک تحریک اور اس کی دعوت سے متاثر ہوا اور فوری طور پر میں نے پورے فہم اور شعور کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا کہ میری زندگی میں اولیت اس تحریک اور اس کی دعوت کو حاصل ہوگی۔ معاش اور کسبِ معاش کے ذریعے (یعنی PROFESSIONAL CAREER) کو بالکل ثانوی مقام حاصل ہوگا۔ تعلیم کے اختتام اور عملی زندگی کے آغاز کے بعد بھی قلب کی گہرائیوں سے ابھرنے والے بعض تقاضوں اور روح کی پہنائیوں سے اٹھنے والے بعض مطالبوں نے مسلسل بے چین کئے رکھا۔ چنانچہ مروّجہ معیارات کے مطابق 'پیشہ ورانہ کامیابی' کے بنیادی لوازم ——— یعنی توجہ کا ارتکاز ——— اور ایک مقام پر مستقل قیام ——— کبھی پورے نہ کئے جا سکے، واقعہ یہ ہے کہ اس دوران میں جب بھی کبھی ایسا ہوا کہ پیشہ ورانہ مصروفیت میں اضافہ ہوتا اور وقت اور توجہ کا معتدبہ حصہ اس میں صرف ہونے لگتا تو قلب و روح کی گہرائیوں سے وہی صدا بلند ہونے لگتی جو ایک روایت کے مطابق ایک شکار کے دوران ایک بیابان میں حضرت ابراہیم بن ادھم رح کو سنائی دی تھی کہ

یا ابراھیم! أَلِهٰذا خُلِقْتَ أَمْ بِهٰذا أُمِرْتَ؟

(اے ابراہیم، کیا اسی کام کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے، یا کیا اس کا تمہیں حکم ملا ہے؟)

نتیجۃً طبیعت میں توحش پیدا ہو جاتا ——— اور پیشہ ورانہ مصروفیت سے دل بالکل اچاٹ ہو جاتا! معاش میں استحکام ——— اور پیشہ و فن میں تمکن کا اصل زمانہ یعنی اختتامِ تعلیم سے لے کر مسلسل دس بارہ سال تک کا عرصہ میں نے اس حال میں گذارا کہ جہاں کی فضا اپنے 'مقصدِ زندگی' کے لئے نسبتاً زیادہ سازگار نظر آئی۔ اپنا سارا بوریا بستر سمیٹ کر وہاں چل دیا۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ سوچا کہ ایک مقام پر ایک عرصہ تک قیام کی بنا پر معاشی و فنی اعتبار سے جو حیثیت بنی ہے اس کو اس طرح نظر انداز کرنے سے معاشی مستقبل کتنا مخدوش ہو جائے گا ——— حد یہ ہے کہ ایک بار 'مقصدِ زندگی' کے نام پر دی جانے والی ایک دعوت کی بنا پر پیشہ و فن کی پوری بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی ——— الغرض مسلسل آج یہاں کل وہاں، پرسوں کہیں اور اگلے روز کہیں اور کی حالت طاری رہی ——— لوگ تلوّن اور غیر مستقل مزاجی کی پھبتیاں کستے رہے، لیکن میں اپنے باطن کا جائزہ لیتا تو یہ معلوم کر کے مطمئن ہو جاتا رہا کہ میرے اس ظاہری تلوّن کا اصل سبب بحمد اللہ اپنے اس فیصلے پر پوری 'مستقل مزاجی' کے ساتھ عمل پیرا رہنا تھا کہ میری زندگی میں اولیت بہرحال 'مقصدِ زندگی' کو حاصل رہے گی۔ معاش اور اس کے متضمنات ہمیشہ ثانوی رہیں گے! ——— ایک طویل عرصے تک ادھر ادھر

کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج سے دو ڈھائی سال قبل حکمتِ خداوندی اور مشیتِ ایزدی کے تحت یہ صورت پیدا ہوئی کہ میں لاہور منتقل ہوا ——— اور یہاں مقصدِ زندگی کے لیے خالص 'ذاتی حیثیت' میں ایک حقیر جد و جہد کے آغاز کے طور پر پہلے "تحریک جماعتِ اسلامی" کی اشاعت اور پھر 'میثاق' کے از سرِ نو اجراء کا اہتمام کیا ——— !

رہا 'شوق' کا معاملہ۔ تو خدا جانتا ہے کہ 'لکھنے' کا شوق مجھے کبھی نہیں رہا۔ اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ 'لکھنا' مجھے ہمیشہ ایک نہایت مشکل اور نہایت کٹھن کام نظر آیا۔ نہ تو کبھی یہ میرا مشغلہ (HOBBY) رہا اور نہ ہی کبھی میں نے اس کی مشق کی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ اس فن کے ابجد تک سے میں تا حال ناواقف ہوں۔ اسلامی جمعیت طلبا سے وابستگی کے دوران خالص تنظیمی نوعیت کی چند تحریروں یا ایک آدھ واردات قلبی کے اظہار کے قبیل کی چیزوں کے علاوہ پورے زمانہ طالب علمی میں نے کبھی کچھ نہ لکھا ——— اس کے بعد مسلسل دو سال ایک حرف بھی قلم سے نہ نکلا لیکن پھر اچانک مقصدِ زندگی کی لگن اور اس کے ساتھ شدید ذہنی وابستگی سے یہ 'معجزہ' صادر ہوا کہ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں دس پندرہ دن کی مدت میں سوا دو سو صفحات پر مشتمل وہ بیان تحریر میں آ گیا جو اب 'تحریک جماعتِ اسلامی' کی صورت میں مطبوعہ موجود ہے۔

اس کے بعد مسلسل دس سال پھر اس حال میں گزرے کہ ایک حرف بھی قلم سے نہ نکلا حتیٰ کہ اس پورے عرصہ میں خطوط بھی چند بالکل گنے چنے ہی لکھنے میں آئے ——— تا آنکہ جولائی ۱۹۶۶ء میں 'میثاق' کا دوبارہ اجرا عمل میں آیا۔ اس کے بعد کی قلمی 'داستان' سے قارئینِ 'میثاق' بخوبی واقف ہی ہیں

یہ پوری داستان بے اختیار اس لئے نوکِ قلم پر آ گئی کہ حال ہی میں چند مخلصین نے یہ شکوہ کیا ہے کہ "رسائل و اخبارات کے اداریے وقتی حالات و مسائل پر تبصرے کے لئے ہوتے ہیں۔ تم ان میں بھی ثقیل مضامین بھر کر 'صحافت' کے معروف اصولوں کو توڑ رہے ہو ——— !" اور بعض دوسرے حضرات نے یہ طعنہ دیا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس 'لکھنے' کے لئے کچھ ہے ہی نہیں !"

میری گذارش اپنے ان تمام دوستوں اور بزرگوں سے یہ ہے کہ واقعۃً صحافت نہ میرا پیشہ ہے نہ مشغلہ' ! ——— لہٰذا صحافت کے مروّجہ معیارات کے مطابق میری جانچ پرکھ مجھ پر شاید زیادتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کو جو گلہ اپنے دوستوں سے تھا کہ ؎

مرا یاراں غزل خوانے شمردند !

وہی مجھے اپنے ان مخلصوں سے ہے کہ وہ مجھے صحافی سمجھ رہے ہیں۔ میں نے ہرگز صحافت کا شوق پورا کرنے کے لئے اس کوچے میں قدم نہیں رکھا۔ بلکہ 'میثاق' کا اجرا صرف اپنے مقصد زندگی کے حصول کی جد و جہد کے لئے کیا ہے۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس وسیع و عریض دنیا میں اپنے مقصد اور اس کی جد و جہد سے بڑھ کر اہم چیز کوئی نظر ہی نہیں آتی! موجودہ حالات و واقعات میرے نزدیک بذاتہٖ اور فی نفسہٖ نہ کوئی علیحدہ وجود رکھتے ہیں نہ مستقل اہمیت کہ ان پر تبصرہ کسی اضافیت کا حامل ہو۔ مجھے اس ایک مقصد کے سوا کسی چیز سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے کہ مسلمان جیوں اور مومن مروں۔ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ خود میرا سینہ بھی نور ایمان سے منور ہو ——— اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے قلوب و اذہان بھی اسی نور سے جگمگا اٹھیں تاکہ وہ بھی اسلام پر زندہ رہیں اور ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوں۔ پھر کوئی جماعت یا تنظیم ایسی مل جائے جو اس مقصد کے لئے کام کرنا چاہتی ہو تو کیا کہنا! بصورت دیگر میں تن تنہا اسی مقصد کے لئے کام کرتے رہنے ہی کو اصل کامیابی و سعادت و فلاح سمجھتا ہوں چاہے پوری زندگی کی جد و جہد کے بعد بھی اس کا کوئی محسوس و مشہود نتیجہ سامنے نہ آئے۔

اسرار احمدؒ

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

(تذکرہ وتبصرہ "میثاق" جولائی ۱۹۶۹ء)

میڈیکل کالج لاہور میں اپنے پانچ سالہ عرصۂ تعلیم کے دوران راقم الحروف نے معمار پاکستان محمد علی جناح مرحوم کا حسب ذیل فقرہ جو کالج ہال کی دیوار پر نہایت جلی حروف میں لکھا ہوا تھا، بلا مبالغہ سینکڑوں مرتبہ پڑھا ہوگا:۔

"GOD HAS GIVEN US A GOLDEN OPPORTUNITY TO SHOW OUR WORTH AS ARCHITECTS OF A NEW NATION (OR STATE?) AND LET IT NOT BE SAID THAT WE DID NOT PROVE EQUAL TO THE TASK!"

یعنی "(مملکت خداداد پاکستان کی صورت میں) اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نئی قوم (یا مملکت؟) کے معماروں کی حیثیت سے اپنی اہلیت و صلاحیت کے اظہار کا ایک سنہری موقع عطا فرمایا ہے اور دیکھنا! ایسا ہرگز نہ ہو کہ دنیا یہ کہے کہ ہم اس عظیم کام کے اہل ثابت نہیں ہو سکے!"

پھر کچھ تو اس بنا پر کہ فقرہ بجائے خود نہایت جاندار تھا اور اس کے الفاظ کا دروبست نہایت موزوں تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ پاکستان ابھی نیا نیا بنا تھا اور ہر پاکستانی مسلمان کے دل میں ایک "ولولہ تازہ" موجزن تھا اور اس جملے میں گویا ہر شخص کو اپنے ہی دل کی صدا سنائی دیتی تھی۔ یہ فقرہ کچھ اس طرح ذہن میں ثبت ہو گیا تھا کہ آج من وعن یاد ہے۔

لیکن — افسوس — کہ آج جبکہ پاکستان کو قائم ہوئے بائیس سال ہونے کو آئے اور خود محمد علی جناح مرحوم کو اس دنیا سے رخصت ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا مملکت خداداد پاکستان

بزبان حال نوحہ خواں ہے کہ اس کے بانی و موسّس کا خدشہ صحیح ثابت ہوا اور اس نئی مملکت کو وہ معمار میسّر نہ آ سکے جو ایک انگریز شاعر کے قول کے مطابق "اس کے ستونوں کو نہایت گہری اور پختہ بنیادوں سے اٹھاتے اور پھر تعمیر کرتے ہوئے اوج ثریا تک پہنچا دیتے"[1] ——— بائیس سال گذر جانے کے بعد بھی اگر کسی مملکت کا "اساسی نظریہ" تک زیر بحث چلا آ رہا ہو اور دستور سازی ہنوز معرض بحث میں ہو بلکہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے بارے میں نئی نئی بحثیں اٹھ رہی ہوں اور ردّ و قدح اور تکرار و نزاع کی نت نئی صورتیں پیدا ہو رہی ہوں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ساری مادّی ترقیوں اور معاشی منصوبہ بندیوں کے باوجود ابھی مملکت کی اصل تعمیر کی ابتدا ابھی نہیں ہوئی اور قومی تعمیر نو کا کام شروع بھی نہیں ہو سکا۔

پاکستان کی زندگی کے بائیس سال درحقیقت گیارہ گیارہ سالوں کے دو مساوی ادوار پر مشتمل ہیں۔ پہلے گیارہ سالوں (۱۹۴۷ء-۵۸ء) کے دوران پاکستان کے سیاست دانوں کی نااہلی و ناقابلیت کا تدریجی ظہور ہوا۔ اور اس کے اختتام کے قریب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور شخصیتیں اس عظیم مملکت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں بالکل ناکام ہو چکی ہیں اور ان سے ہاتھوں اب کسی خیر کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی ——— اس کے فطری نتیجے کے طور پر ۱۹۵۸ء میں ایک انقلاب آیا جو بظاہر اور ابتداءً تو فوجی تھا لیکن اس نے بہت جلد ایک سابق فوجی کے زیر سربراہی ایک خالص نوکر شاہی کی صورت اختیار کر لی اور اہل سیاست کو میدان سے ہٹا کر مملکت کے دوسرے منظم ادارے یعنی سول سرو سز نے ملک کے نظم و نسق کو سنبھال لیا چنانچہ دوسرا دور (۱۹۵۸ء-۶۹ء) درحقیقت بیوروکریسی کا دور تھا اور اس کے دوران قوم کے اس دوسرے طبقے کی بھی بھرپور آزمائش ہو گئی لیکن افسوس کہ اس دور کے بالکل ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ قوم کا یہ طبقہ بھی دیانت و امانت اور احساس فرض کے ان اوصاف سے بہت حد تک عاری ہے جو اس عظیم ذمہ داری کو کماحقہ ادا کرنے کے لئے لازمی ہیں جو اس کے کندھوں پر آ پڑی ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس طبقے کی نااہلیت بھی واضح ہوتی چلی گئی، اور ۱۹۶۸ء کے اواخر میں بے اطمینانی کا وہ لاوا جو قوم کے مختلف طبقات میں اس طبقے کی دست درازیوں کے باعث کھول رہا تھا اچانک پھٹ پڑا ——— اور اس طرح یہ دور بھی دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا۔

ان دونوں طبقات کی ناکامی کے بعد ——— ملک و ملت کے پاس ایک ہی منظم ادارہ باقی رہ گیا ہے یعنی فوج، چنانچہ بدرجہ مجبوری پھر اسی کو آگے بڑھ کر ملک و ملت کی زمام اپنے ہاتھ میں لینی پڑی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ شرافت، دیانت، امانت، حب وطن، حب قوم، ایثار، قربانی، احساس فرض اور تندہی و جانفشانی کے اوصاف کے اعتبار سے قوم اپنے اس طبقے پر مکمل اعتماد بھی کرتی ہے ——— لیکن ظاہر ہے کہ اس ادارے کا اصل

[1] "THEY BUILD A NATIONS PILLARS DEEP, AND LIFT THEM TO THE SKY!"

فریضہ دفاع وطن ہے اور یہ بجائے خود اتنی عظیم ذمہ داری ہے کہ اس پر کوئی مزید بوجھ ڈالنا حد درجہ ناانصافی ہے۔ بین الاقوامی حالات جس رخ پہ جا رہے ہیں اس کے پیش نظر مستقبل میں دفاع وطن کی ذمہ داری یقیناً پہلے سے بھی کہیں زیادہ بھاری اور اوجھل ہو جائے گی اور ڈیفنس سروسز کے کندھوں پر اگر زیادہ دیر تک ملک کے داخلی نظم و نسق کا بوجھ بھی پڑا رہا تو اس سے دفاع وطن کے محاذ کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ خطرہ (RISK) اتنا بڑا ہے کہ اسے کسی قیمت پر بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف ملک کی سیاسی جماعتوں اور شخصیتوں کی صفوں میں خاصی سرگرمی اور ہلچل کے باوجود تا حال کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آ رہی ہے کہ یہ امید کی جا سکے کہ اگر حکومت ان کے حوالے کر دی جائے تو یہ اطمینان بخش طور پر اسے سنبھال سکیں گی اور دوبارہ وہی صورت حال پیدا نہ ہو جائے گی جس کے پیش نظر مارشل لا کا نفاذ لازمی ہو گیا تھا۔

الغرض ـــــ نظریاتی اور دستوری بحثوں اور مناقشوں پر مستزاد یہ ہے وہ نازک صورت حال اور عظیم الجھاؤ (DILEMMA) جس سے مملکت خداداد پاکستان اس وقت دوچار ہے۔

اس صورت حال کے اسباب میں سے تین عوامل تو ہماری گذشتہ نصف صدی کی تاریخ سے متعلق ہیں اور تین پیچیدگیاں وہ ہیں جو قیام پاکستان کے ساتھ ہی پیدا ہوئیں اور مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔

تاریخی عوامل کے بارے میں ہم ان صفحات میں مفصل لکھ چکے ہیں اور یہاں ان کے مفصل اعادے کی گنجائش بھی نہیں۔ مختصراً وہ یہ ہیں کہ :

اوّلاً ـــــ آج سے تقریباً نصف صدی قبل ملت اسلامیہ ہند و پاک کی قوتیں اور توانائیاں منقسم ہو گئیں اور قومی لائحہ عمل اور پالیسی سے اختلاف کی بنا پر علماء کا وہ طبقہ جو ماضی میں قوم کا اصل رہنما رہا تھا اور جس میں مخلص اور بے لوث عوامی کارکنوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی اپنے متوسلین سمیت قوم کے سوادِ اعظم سے کٹ کر رہ گیا اور اس طرح قوم اپنی بہترین متاع سے محروم ہو گئی۔ رہا یہ سوال کہ یہ حادثہ کیسے اور کیوں واقع ہوا تو یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر گفتگو کی اس وقت گنجائش نہیں (ویسے ہم 'میثاق' مارچ ۱۹۶۷ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں اس موضوع پر مفصل کلام کر چکے ہیں!)

ثانیاً ـــــ اسلامیانِ ہند کی قومی قیادت قومی تعمیر نو اور قوم کی تنظیم و تربیت کے ضمن میں ہرگز کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکی۔ اب چاہے یہ کہہ لیا جائے کہ اسے اس کا وقت نہیں ملا چاہے یہ کہ اس نے اس کی جانب توجہ نہیں کی فرق کوئی واقع نہیں ہوتا۔ اور واقعہ بہرحال یہی ہے کہ قومی تحریک نے بس ایک ہنگامی اور فوری سی ضرورت کو تو ضرور پورا کر دیا لیکن اس نے قوم کو نہ کوئی قومی تنظیم دی نہ قومی قیادت!

ثالثاً ـــــ قیام پاکستان سے تقریباً ایک دہائی قبل ایک اور صاحب نے 'قومی تحریک' کو مطعون کر کے

ایک بین الاقوامی اور خالص اصولی اسلامی تحریک کے نام پر قوم کے جسد سے مخلص کارکنوں کا ایک اور ٹکڑا کاٹ لیا اور قیام پاکستان کے فوراً بعد اسی "ٹکڑی" کی مدد سے "اسلامی دستور" اور "انقلاب قیادت" کے نعروں کے ساتھ قومی قیادت پر ایک زور دار شبخون مارا ——— نتیجۃً قومی قیادت سے رہے سہے مخلص عناصر کو قیام پاکستان کے فوراً بعد ایک جانب قومی تنظیم کے اندرونی خلفشار کا سامنا کرنا پڑا اور دوسری طرف ان صاحب کی بیرونی یلغار کا۔ اس دوگونہ کش مکش نے قومی قیادت کے ان مخلص عناصر کو کمزور کرتے کرتے بالآخر بالکل میدان سے خارج (KNOCK OUT) کر دیا اور میدان بالطبع ان لوگوں کے ہاتھ آگیا جن کا کوئی دین تھا تو خالص اغراض پرستی اور ایمان تھا تو محض مفادات پر اور جو کبھی یونینسٹ ہوتے تھے کبھی لیگی، پھر کبھی ری پبلکن بن جاتے تھے اور کبھی پھر لیگی! ——— ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں پاکستان کی قومی پالیسی کے تابوت میں وہ آخری کیل ٹھکی جس کے بعد خالص بیوروکریسی کا دور شروع ہو گیا۔

ان تین تاریخی عوامل پر مستزاد ہیں وہ تین پیچیدگیاں جو قیام پاکستان کے ساتھ ہی پیدا ہو گئی تھیں اور گویا پاکستان کی تعمیر ہی میں مضمر ہیں اور جن کا الجھاؤ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے ——— آئندہ ہم ان کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ان میں سب سے نمایاں اور اہم ترین پیچیدگی خالص جغرافیائی ہے یعنی یہ کہ مملکت خداداد پاکستان دو ایسے یکجا اور دور دراز خطوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر واقع ہوئے ہیں اور جن کے مابین ایک ایسی مملکت حائل ہے جو حالت جنگ ہی میں نہیں عین حالت امن میں بھی ایک بالقوۃ دشمن (POTENTIAL ENEMY) کی حیثیت رکھتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یوں تو اگرچہ پاکستان کا وجود ہر اعتبار سے ہی ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن خاص اس اعتبار سے تو یہ تاریخ عالم کا ایک نہایت ہی انوکھا اور محیر العقول تجربہ ہے جس کی شاید ہی کوئی دوسری نظیر کبھی موجود رہی ہو۔

یہ جغرافیائی پیچیدگی بجائے خود بھی کچھ کم اہم اور الجھی ہوئی نہ تھی لیکن دو مزید عوامل نے اس کے الجھاؤ کو دوگونہ کر دیا ہے ——— یعنی ایک[1] اس حقیقت نے کہ تہذیب، تمدن، زبان، لباس، طرز بود و باش اور جذباتی و ذہنی ساخت غرض ایک مذہب کے سوا ہر اعتبار سے ان دو خطوں کے رہنے والے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور اگر دین و مذہب کے سوال کو خارج از بحث کر دیا جائے تو دنیا کے مروجہ معیارات میں سے کسی معیار کے اعتبار سے بھی انہیں ایک قوم قرار نہیں دیا جا سکتا ——— اور دوسرے اس واقعے نے کہ ان دو خطوں میں سے جو خطہ، رقبہ، محل وقوع، دفاع اور تعمیر و ترقی کے امکانات، الغرض تمام اعتبارات سے اہم تر ہے۔ وہ بلحاظ آبادی کمتر ہے اور دوسرا خطہ جو نہ صرف یہ کہ ان تمام اہم امور کے اعتبار سے بہرحال ثانوی حیثیت رکھتا ہے[2] بلکہ ایک

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

نہایت جاندار، فعال، سرمایہ دار اور تعلیم یافتہ غرض ہر اعتبار سے نہایت مؤثر لیکن پاکستان کے اساسی نظریے کی دشمن اور اس کے عین وجود سے بغض و عداوت رکھنے والی اقلیت کی اضافی پیچیدگی بھی لئے ہوئے ہے۔ تعدادِ نفوسِ انسانی کے لحاظ سے دوسرے خطے سے برتر ہے —— ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دو اضافی عوامل کی بنا پر اس خالص جغرافیائی اشکال نے ایک نہایت پیچیدہ مسئلے کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اور یہ اسی پیچیدگی اور اشکال کا نتیجہ ہے کہ بائیس سال کی طویل مدت میں بھی پاکستان کا کوئی دستور نہیں بن سکا اور دستور سازی کے میدان میں نہ صرف یہ کہ ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور الجھاؤ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے

اس اشکال اور الجھاؤ کا مستقل حل تو ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ دینی جذبات اور ملی احساسات کو مسلسل اجاگر کیا جاتا رہے اور اس جذبہ کے دوام اور تسلسل کا مستقل اور پائدار بندوبست کیا جائے جو ایک دوسرے سے اتنے بعید اور باہم اس قدر مختلف خطوں کے ایک مملکت میں شامل ہونے کا سبب بنا تھا تاہم فوری طور پر بعض دوسری چیزیں بھی پیشِ نظر رہنی ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اس 'سنجوگ' کا برقرار رہنا مشرقی پاکستان کے عوام کی آزاد مرضی ہی پر منحصر ہے اور اسے کسی طرح بھی ان پر ٹھونسا نہیں جا سکتا بلکہ اس معاملے میں جبر و تشدد کا ردِّ عمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس 'آزاد مرضی' کا انحصار بھی جتنا کچھ دینی جذبات اور ملی احساسات پر ہے اتنا ہی اس امر پر بھی کہ نہ صرف یہ کہ وہ یہ محسوس کریں کہ ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی بلکہ مثبت طور پر انہیں یہ احساس بھی ہو کہ خود ان کا مفاد مغربی پاکستان کے ساتھ رہنے ہی سے وابستہ ہے اور مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ رہ کر ہی دنیا میں ایک باعزت اور باوقار آزاد مملکت کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ اگر خدانخواستہ کبھی 'علیحدگی' کی صورت پیدا ہوئی تو مغربی پاکستان کے لئے تو پھر بھی امکان غالب موجود ہے کہ وہ اپنی آزاد اور باوقار حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا لیکن مشرقی پاکستان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ کسی دوسری وسیع تر قومیت میں ضم اور کسی دوسری بڑی مملکت میں جذب ہو کر رہ جائے۔

ان دو امور کی روشنی میں جائزہ لیا جانا چاہیئے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی مرضی دراصل ہے کیا؟ اگر وہ واقعۃً مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کے خواہش مند ہیں تو ظاہر ہے

---

[1] حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ: ممکن ہے ہماری یہ عریاں حقیقت نگاری بعض لوگوں کو ناگوار معلوم ہو اور واقعہ یہ ہے کہ کوئی سیاسی کارکن اس حقیقت کے اظہار کی جرأت نہیں کرے گا تاہم ہمارے نزدیک واقعہ یہی ہے اور اسے ذہنی طور پر قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

جاری ہے　　　　صفحہ ۱۸ پر

کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی اس خواہش سے آڑے نہیں آسکتی۔ بین الانسانی علائق میں سب سے زیادہ مقدس رشتہ میاں اور بیوی کا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بھی دین فطرت نے علٰحدگی کی ایک سبیل رکھ دی ہے اور صاف ہدایت کی ہے کہ اگرچہ طلاق حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ تاہم "معلق" رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ علٰحدگی اختیار کر لی جائے ـــــ بالکل اسی طرح اگر ہمارے مشرقی پاکستانی بھائی واقعتہً یہ محسوس کرتے ہوں کہ مغربی پاکستان کے ساتھ رہنے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے تو ان کی بے اطمینانی کے سبب سے پورے ملک کی سیاسی و دستوری زندگی کو مسلسل معطل رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کی مرضی کو بروئے کار آنے کا موقع دے دیا جائے۔

ہم نے اوپر بھی عرض کیا تھا ـــــ اور اب مزید وضاحت سے کہے دیتے ہیں کہ مشرقی و مغربی پاکستان کے مابین 'مساوات' کا مفہوم اگر یہ ہے کہ دارالحکومت ایک مغربی پاکستان میں ہو اور دوسرا مشرقی پاکستان میں اور مرکزی حکومت چھ ماہ وہاں رہے اور چھ ماہ یہاں۔ اور دفاعی اخراجات میں بھی لازماً کامل مساوات برتی جائے تو یہ خالص احمقانہ تصور ہے۔ ایسی مساوات خاندان کے مختصر سے ادارے میں بھی نہیں چل سکتی کجا یہ کہ ایک عظیم مملکت جو طرح طرح کی پیچیدگیوں سے دوچار ہو، اس کے انتظام و انصرام میں برتی جائے اور ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ دونوں خطے آزاد ہو کر اپنے اپنے بقاء استحکام اور تعمیر و ترقی کی فکر کریں ـــــ !!

لیکن ہمیں یقین ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی خواہش ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ مغربی پاکستان سے علٰحدہ ہوں اور اگرچہ ماضی قریب میں ان پر یہ 'بہتان' کثرت سے لگایا گیا ہے کہ ان میں "علٰحدگی پسندی" کا رجحان موجود ہے۔ ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان حقائق و واقعات اور موجودالوقت ظروف و احوال سے اتنے بے خبر ہو سکتے ہیں کہ ان خطرات کا اندازہ نہ کر سکیں جو ایسی کسی تجویز میں لازماً مضمر ہیں ـــــ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ بس "صوبائی خود اختیاری" کے حصول کی خواہش ہے اور وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ صوبائی معاملات میں انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور یہ ہمارے نزدیک ان کا ایک ایسا حق ہے جس سے کسی بھی معقول انسان کو کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور مرکزی حکومت کے موثر طور پر اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو امور ضروری ہیں انہیں مرکز کی تحویل میں دینے کے بعد بقیہ تمام معاملات میں مشرقی پاکستان کو کامل صوبائی خود مختاری لازماً ملنی چاہئیے۔

ابھی متذکرہ بالا دو امور کی روشنی میں دستور کے مسئلے پر بھی ایک بار حتمی طور پر فیصلہ کر لینے کی شدید ضرورت ہے اور تمام حالات و واقعات کا مردانہ وار مواجہہ کر کے اس مسئلے کو ایک بار قطعی طور پر طے کر دینا

لازمی ہے اور اگرچہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک کسی مملکت کے انتظام و انصرام میں اصل فیصلہ کن عامل کی حیثیت دیانت و امانت کو حاصل ہے نہ کہ قواعد و ضوابط اور تدابیر تحدید و توازن (CHECKS AND BALANCES) کے اس بے جان ڈھانچے کو جسے 'دستور' کہا جاتا ہے، تاہم ہمارے یہاں جو خلاء اس میدان میں چلا آرہا ہے اسے ایک بار جرأت و ہمت کے ساتھ عوام کی آزادانہ رائے کے مطابق پُر کر لینا ہی بہتر ہے!

دستور کے مسئلے پر ہمارے یہاں اس وقت بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں۔ بہت سے لوگ ۱۹۵۶ء کے دستور کی بحالی کے خواہاں ہیں، اگرچہ وہ ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر رہے ہیں کہ اس میں بنیادی ترمیموں کی ضرورت ہے اور اگرچہ خان قیوم نے ایک علٰحدہ آواز بلند کی ہے یعنی یہ کہ فی الحال ایک عبوری دستور نافذ کر دیا جائے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ 'دائیں بازو' اپنے حلقہ اثر کی تمام جماعتوں اور شخصیتوں کو اس معاملے میں تقریباً متفق کر لیا ہے (جس کی تازہ ترین مثال شیخ مجیب الرحمٰن کا بھی ۱۹۵۶ء کے دستور کی بحالی سے متفق ہو جانا ہے) دوسری طرف ایک مطالبہ یہ ہے کہ بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا انتخاب عمل میں آئے اور اسے ایک معین مدت (مثلاً چھ ماہ) کے اندر اندر دستور سازی کا پابند کیا جائے ——— بعد میں یہی اسمبلی پارلیمنٹ کی حیثیت سے کام کر سکتی ہے۔

ہمارے نزدیک یہی دوسری رائے منطق کے ہر اصول کے مطابق اقرب الی الصواب ہے اور اگرچہ نہیں، جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ۱۹۵۶ء کے دستور سے بھی کوئی کد نہیں، تاہم ہمارے نزدیک حقیقت یہی ہے کہ ہمارے یہاں اب تک کی کسی دستوری دستاویز کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی پشت پر عوام کی مرضی اور رائے موجود ہے اور ان میں سے کسی کو بھی آئندہ انتخابات کی بنیاد بنایا گیا تو یہ اعتراض جائز طور پر موجود رہے گا کہ ایک غیر نمائندہ دستور کے تحت منعقد شدہ انتخابات کے نتائج بھی قابل اعتماد نہیں قرار دیئے جا سکتے ——— ہمارے نزدیک صدر مملکت محمد یحییٰ خان کی وہ رائے نہایت صحیح ہے جو انہوں نے خان قیوم خان کی متذکرہ بالا تجویز کے جواب میں ظاہر کی ہے یعنی یہ کہ موجودہ مارشل لا خود ایک 'عبوری دستور' کی ضرورت پوری کر رہا ہے ——— اب اس معاملے میں جو اقدام بھی ہو وہ عارضی اور عبوری اور بیشگی طور پر واجب التعمیم نوعیت کا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو ایک بار قطعی طور پر طے کر لیا جائے ——— اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی صورت اس مؤخر الذکر تجویز کے سوا ممکن نہیں۔

دوسری بڑی پیچیدگی جو گویا پاکستان کی تعمیر ہی میں مضمر ہے اور روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے یہ ہے کہ اپنے اوّل یوم پیدائش ہی سے پاکستان کو ایک ایسی مملکت کی عداوت و دشمنی کا سامنا ہے جو ایک طرف تو نہ صرف یہ کہ اس کے بالکل قریبی ہمسائے کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ پاکستان کے دونوں خطوں کے مابین حائل ہونے کی بنا پر گویا پاکستان کے چھوٹے سے جسم میں بہت بڑے خنجر کی طرح پیوست ہے اور دوسری طرف اپنی وسعت، قوت، آبادی اور وسائل تمام اعتبارات سے پاکستان سے کم از کم چوگنی ہے۔[1]

> بھارت کی یہ مستقل عداوت نہ صرف یہ کہ ہمارے محدود وسائل و ذرائع پر ایک بہت بڑے بوجھ کا سبب بنی رہی ہے جس کی بنا پر اس نوزائیدہ مملکت کی تعمیر و ترقی کے جملہ امکانات بروئے کار نہ آ سکے ——— بلکہ بدقسمتی سے اسی ایک مرکز کے گرد ہماری پوری خارجہ حکمتِ عملی کو ہمیشہ گھومنا پڑا ہے۔

اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو گذشتہ بائیس سالوں کے دوران دو دور گذر چکے ہیں۔ اور اب تیسرے دور کا آغاز ہو رہا ہے ——— پہلا دور آرام و آسائش بلکہ عیش اور گلچھروں کا دور تھا۔ دوسرے میں ہمیں نسبتاً مشکل تر حالات کا سامنا کرنا پڑا، اور اب جو دور شروع ہو رہا ہے، آثار و قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ہمیں اپنی آزاد اور باوقار حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت شدید جدوجہد اور محنت و مشقت کا سامنا کرنا ہوگا۔

پہلے دور میں دنیا کی بڑی طاقتیں دو دھڑوں میں منقسم تھیں۔ ایک طرف روس اور چین پر مشتمل کمیونسٹ بلاک تھا اور دوسری طرف اینگلو امریکی اتحاد، اور ان کے مابین شدید کشمکش اور مسلسل جنگ جاری تھی جو کبھی گرم ہو جاتی تھی کبھی سرد۔ بھارت نے ایک نئی طاقت کی حیثیت سے ان کے مابین 'ثالثی' کا کردار اختیار کرنے کی کوشش کی اور اپنی نام نہاد آزاد اور غیر جانب دار خارجہ پالیسی کے نام پر خصوصاً مغربی بلاک کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اس صورت حال کا عروج تھا وہ وقت جب ہندوستان میں "ہندی چینی بھائی بھائی" کے نعرے لگ رہے تھے! اس وقت مغربی بلاک کو شدید ضرورت تھی کہ اس علاقے میں کوئی ملک ایسا ہو جہاں اس

---

[1] اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بھارت اور اسرائیل میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے دونوں دنیا کے نقشے پر اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے بالکل خنجروں سے مشابہ ہیں۔ ایک بلادِ عرب کے سینے میں پیوست ہے اور دوسرا اسلامیانِ پاکستان کے جسد میں ——— بلادِ عرب اگر وسعت میں زیادہ ہیں تو اسلامیانِ پاکستان تعداد میں مسلمانانِ عرب کی مجموعی تعداد سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں اور اسرائیل بھارت کے مقابلے میں چاہے بہت چھوٹا ہے لیکن مغربی استعماری پشت پناہی کی بنا پر بھارت سے کسی طرح بھی کمزور نہیں!

کے قدم بھی کسی قدر جم سکیں۔ ان کی اس ضرورت کو اپنی خارجہ حکمت عملی میں فٹ پاکر پاکستان نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ یہ وہ دور تھا جب ہم پر چچا سام نہایت مہربان تھے اور ہمارے ہر طرح کے ناز نخرے برداشت کرنے کو تیار تھے ——— !! اور دوسری طرف ہم بھی ان کے کامل نیاز مند تھے اور ان کے اشارے پر کبھی سیٹو میں حاضری دیتے تھے کبھی سنٹو میں ——— !!

اس کے بعد حالات بدلے۔ ایک[1] طرف چین اور روس کے مابین اختلافات کی خلیج نمودار ہوئی، دوسری[2] طرف اس کا رویہ مغربی اتحاد کے ساتھ بدلنا شروع ہوا، تیسری[3] طرف بھارت کو عقل آئی اور اس نے اندر ہی اندر چچا سام سے تعلقات استوار کرلئے ——— اور چوتھی[4] طرف روس، مغربی اتحاد اور بھارت تینوں نے چین کو اپنے مشترک دشمن کی حیثیت دینی شروع کردی ——— نتیجۃً بین الاقوامی تعلقات اور خارجہ حکمت عملی کے میدان میں ہم نے جس زمین پر تعمیر کی تھی وہ پیروں تلے سے کھسکنی شروع ہوگئی اور بھارت کو امریکہ اور روس دونوں کے منظور نظر کی حیثیت حاصل ہوگئی ——— یہ ہمارے لئے مشکلات کے دور کا آغاز تھا۔ اس دور کے بالکل ابتدا میں ایک کوشش امریکہ نے یہ کی تھی کہ کسی طرح بھارت اور پاکستان کے مابین ایسی مکمل مفاہمت کرا دی جائے تاکہ یہ دونوں سوکنوں کی بجائے بہنوں کی صورت اختیار کرلیں اور دونوں ہمارے اشاروں پر یکساں حرکت کرسکیں۔ اسی غرض سے اس نے پنجاب کے دریاؤں کے پانی کے مسئلے کو جیسے تیسے حل کرانے کا ٹھیکہ مول لیا اور بعض دوسرے معاملات میں بھی صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کوششوں کا عروج (CLIMAX) تھی وہ تجویز جو امریکہ نے سابق صدر ایوب کے ذریعے پیش کرائی کہ پاکستان اور ہندوستان کا دفاع مشترک ہو جائے ——— اس تجویز پر پنڈت نہرو کے احمقانہ ردعمل سے اس معاملے میں (ANTI CLIMAX) کے دور کا آغاز ہوا۔ اور پاکستان میں آزاد خارجہ حکمت عملی کا دور شروع ہوگیا۔

اب ظاہر ہے کہ کسی کے گھڑے کی مچھلی بنے رہنے میں جو آسانی اور عافیت ہے وہ اپنی آزاد رائے اور آزادانہ حیثیت و تشخص کو برقرار رکھنے اور دوسروں سے منوانے (یعنی ASSERT کرنے) میں کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ آزادی بہر حال جد و جہد اور محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کا مطالبہ کرتی ہے چنانچہ اس دور میں ہمیں لامحالہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔

اور اب جس تیسرے دور کا آغاز ہو رہا ہے وہ اسی صورت حال کی گویا ایک منطقی انتہا کا دور ہے اس وقت جن حالات سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہیں کہ: ایک طرف "صاحب" برطانیہ بہادر تو بالکل ہی اپنی بساط مشرق سے لپیٹ گئے ہیں۔ خود چچا سام پہلے کوریا اور پھر ویٹ نام میں اس قدر مار کھا چکے ہیں کہ اب

اس علاقے سے کسی قدر باعزت طور پر کھسک جانے ہی میں عافیت محسوس کر رہے ہیں۔ دوسری بات روس نے امریکہ کی خاموش فضا کے تحت اس علاقے میں کچھ زیادہ ہی پاؤں پسارنے شروع کر دیئے ہیں اور تیسرے جنوب مشرقی ایشیا میں ان دونوں کا اصل اتحادی بھارت اور اصل دشمن چین بن چکا ہے

اور اب امریکہ، روس اور بھارت تینوں مل کر زور لگا رہے ہیں کہ ہم ان کے تابع مہمل بن کر ان کی مرضی کے مطابق چین کی مخالفت میں ان کا پسندیدہ کردار ادا کریں اور اس علاقے میں بھارت کے مقابلے میں گھٹیا درجے کی شہریت (SECOND RATE CITIZEN SHIP) قبول کریں ——

اس طرح یہ دور ہماری قومی غیرت اور حمیت کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بن کر شروع ہو رہا ہے اور اس کے لئے ہم پر ہر ممکن دباؤ کو استعمال کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ چنانچہ ایک طرف بھارت نے ایران اور عرب ممالک میں اپنے تجارتی و صنعتی اثر و رسوخ کے جال کو تیزی کے ساتھ پھیلانا شروع کر دیا ہے اور یہ امر ہمیں ہوشیار کرنے کے لئے کافی ہونا چاہیئے کہ ان ممالک کی جانب سے بھارت کے ان عزائم کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے۔ دوسری طرف بھارت نے افغانستان سے اپنے پرانے معاشقے کی از سر نو تازہ جوش و خروش کے ساتھ تجدید کرنی شروع کر دی ہے اور ایک فراخہ بند سے جو خطرہ مشرقی پاکستان کی زرعی معیشت کو تھا اس کا حل بھی ابھی نہیں ہوا تھا کہ افغانستان سے آنے والے دریاؤں کو خشک کر کے مغربی پاکستان کی معیشت پر خطرناک وار کرنے کی سکیم پر سوچ بچار شروع ہو گیا ہے۔ تیسری طرف خاص اس موقع پر سرحدی گاندھی سے اندرا گاندھی کی ملاقات، انہیں نوبل پرائز وصول کرنے کے لئے بھارت آنے کی دعوت اور ان کی خدمت میں اسی لاکھ روپے کی رقم بطور نذرانہ پیش کرنے کی سکیم سے بھارت کے عزائم واضح طور پر سامنے آ رہے ہیں —— اور بھارت کی ان ساری کوششوں اور تدبیروں پر مستزاد ہیں روس کی تجاویز جو کبھی کوسیجن صاحب کے پیش کردہ معاشی تعاون کے منصوبے کی صورت میں سامنے آتی ہیں اور کبھی برزنیف صاحب کی پیش کردہ "اجتماعی سلامتی" کی سکیم کی شکل اختیار کرتی ہیں —— اور ان سب پر ثبت ہے چچا سام کی منظوری و رضامندی کی مہر جو ایسی تمام تجاویز پر خاموشی یا "محتاط ردِّعمل" کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

یہ صورت حال ہر غیور اور باحمیت پاکستانی سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ کمر ہمت کس کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ اس مشکل کے وقت میں ہماری اصل قوت مدافعت و مزاحمت ایک آزاد اور باعزت و باوقار ملک و ملت کی حیثیت سے زندہ رہنے کے ایک شدید داعیے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور یہ داعیہ محض "زندگی برائے زندگی" کے نظریے سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس نظریے کے تحت تو انسان بسا اوقات ذلت اور بے عزتی کی حالت کو بھی گوارا کر لیتا ہے۔ یہ داعیہ کسی مقصد زندگی سے آشنا ہو کر ہی

پیدا ہو سکتا ہے۔ ملت اسلامیہ پاکستان کے اندر اگر کسی مقصد کا عشق پیدا ہو جائے اور یہ انسانیت کے لئے کسی نظریے اور پیغام کی علمبردار بن کر اٹھ سکے تبھی اس میں وہ ہمت، وہ جرأت، وہ ایثار، وہ قربانی اور محنت و مشقت کا وہ جذبہ بیدار ہو سکتا ہے جو ان حالات میں اس کے بقاء و تحفظ ہی نہیں ترقی و استحکام اور عزت و وجاہت کا ضامن بھی بن سکتا ہے ——— اب ظاہر ہے کہ یہ نظریہ وہی ہو سکتا ہے جس کے نام پر پاکستان قائم ہوا تھا اور وہ پیغام اسلام کے پیغام کے سوا اور کوئی نہیں ——— گویا جس طرح پہلی پیچیدگی کا اصل اور مستقل حل دینی جذبات اور ملی احساسات کو اجاگر کرنے میں ہے اسی طرح اس دوسری پیچیدگی اور اشکال کا اصل حل اور اس سے پیدا شدہ چیلنج کا اصل جواب بھی یہی ہے کہ ہم بحیثیت قوم ایمان کے داعی اور اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں اور اس مقصد کے ساتھ ایک ایسا والہانہ عشق ہمارے اندر پیدا ہو جائے کہ اس کے لئے بڑی سے بڑی محنت اور کٹھن سے کٹھن مشقت بھی آسان معلوم ہونے لگے اور بڑے سے بڑا ایثار اور اونچی سے اونچی قربانی حقیر محسوس ہو ——— !!

اس پیچیدہ صورت حال کا ایک ضمنی تقاضا بھی ہے اور وہ یہ کہ ہماری خارجہ حکمت عملی کو اب دور ثانی کے مقابلے میں بھی زیادہ 'آزاد' ہونا چاہیئے اور اندریں حالات ہمیں عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ اپنے تعلقات پر پہلے سے بھی زیادہ زور دینا چاہیئے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ اس موقع پر ایک طرف 'دائیں بازو' کی چوٹی کی قیادت (TOP BRASS) نے بھی اس امر پر زور دیا ہے کہ ہمیں چین کی مخالفت میں بڑی طاقتوں (SUPER POWERS) کا آلہ کار ہرگز نہیں بننا چاہیئے اور دوسری طرف وزیر اعظم چین کے دہلی سے واپسی پر 'سرراہے' ورود پاکستان اور اب صدر امریکہ کی خلائی جہاز کی واپسی کے منظر کو دیکھنے کے بعد ٹہلتے ٹہلتے پاکستان کو بھی نوازتے جانے کے پروگرام سے یہ احساس شدت کے ساتھ ابھرا ہے کہ عوامی جمہوریہ چین کے وزیر اعظم چو این لائی کو بھی جلد پاکستان آنا چاہیئے (جس کا سبب ہے بظاہر آج ۵ر جولائی کے اخبارات میں شائع شدہ صدر مملکت محمد یحییٰ خاں کا یہ بیان ہے کہ چو این لائی عنقریب پاکستان کا دورہ کریں گے)

نہ صرف یہ بلکہ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو روس، امریکہ اور بھارت کے اتحاد ثلاثہ کے احمقانہ دباؤ کے تحت کچھ زیادہ ہی تیزی کے ساتھ چین کی جانب جھکنا ہوگا اور یہ حالات کا ایک ایسا بہاؤ ہوگا جس کے رخ کو روکنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں رہے گا ——— !!

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ اعراف

۶

۱۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۰۳ — ۱۷۰

آگے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کے دینی و سیاسی عروج و زوال کی پوری تاریخ، اجمال مگر نہایت جامعیت کے ساتھ سامنے رکھ دی گئی ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے یہ ان سرگزشتوں کا تکملہ اور تتمہ ہے جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔ اوپر کی سرگزشتیں حضرت شعیبؑ کی سرگزشت پر تمام ہوئی تھیں۔ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کی بعثت کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک طرف تو فرعون اور اس کی قوم پر اللہ کی حجت تمام ہوئی اور ان کی تکذیب کے نتیجے میں فرعون اور اس کی قوم کا وہی انجام ہوا جو اوپر قوم نوحؑ سے لے کر قوم شعیبؑ تک کا بیان ہوا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل ایک قوم کی حیثیت سے نمایاں ہوئے اور پھر بتدریج اللہ تعالیٰ نے ان کو مذہبی پیشوائی کا منصب بھی بخشا اور سیاسی دبدبہ اور اقتدار بھی عطا فرمایا لیکن انہوں نے اس منصب اور اقتدار کی قدر نہیں کی بلکہ آہستہ آہستہ ان برائیوں سے بھی زیادہ سنگین برائیوں میں مبتلا ہوئے جن میں پچھلی قومیں مبتلا ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جس طرح قریش کی قسمت خدا کی

میزان عدل میں آگئی، اسی طرح بنی اسرائیل کی قسمت بھی کسوٹی پر رکھ دی گئی۔ اب ان کے فیصلہ کا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ سے باندھے ہوئے عہد کے مطابق اس نبی امیؐ پر یہ ایمان نہیں لاتے جس پر تورات اور تمام پچھلے صحیفوں اور انبیاء کے ذریعہ سے ان سے اقرار لیا گیا تھا تو وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں جن سے پچھلی قومیں دوچار ہوئیں۔ اس روشنی میں آگے کی آیات ۱۰۳ تا ۱۷۱ تلاوت فرمائیے :-

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے فرعون اور اس کے اعیان کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم اور نشانیوں کا انکار کیا۔ تو دیکھو، مفسدوں کا کیا انجام ہوا! اور موسیٰؑ نے کہا، اے فرعون، میں خداوند عالم کا فرستادہ ہوں، سزاوار اور حریص ہوں کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کروں۔ میں تمہارے پاس تمہارے خداوند کی جانب سے کھلی ہوئی نشانی لے کر آیا ہوں تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اس کو پیش کرو، اگر تم سچے ہو۔ تو اس نے اپنی لٹھیا ڈال دی وہ یکایک ایک سچ مچ کا اژدہا بن گئی۔ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دفعتاً دیکھنے والوں کے لئے چمکتا ہوا نکلا۔ قوم فرعون کے اعیان نے کہا۔ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک

نکال دے تو تم کیا رائے دیتے ہو؟ بولے انھی اس کو اور اس کے بھائی کو ٹالو اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیجو جو تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے تمہارے پاس لائیں۔ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے۔ بولے بڑا صلہ ملے گا ہمیں، اگر ہم ہی غالب رہے! فرعون نے کہا، ہاں بے شک، اور تم ہمارے مقربین میں بھی داخل ہو گے۔ ۱۰۳-۱۱۴

بولے، اے موسیٰ، یا تو پہلے تم پیش کرو، یا ہمیں پیش کرنے والے بنتے ہیں۔ اس نے کہا تم ہی پیش کرو۔ تو جب انہوں نے پیش کیا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر دہشت طاری کر دی اور بہت بڑا کرتب دکھایا۔ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تم اپنی لٹھیا ڈال دو! تو وہ دفعتاً نگلنے لگی اس کو جو وہ گھڑتے تھے۔ تو حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ سب نابود ہو گیا۔ تو اس وقت وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے اور ساحر سجدے میں گر پڑے۔ بولے ہم عالم کے خداوند — موسیٰ اور ہارون کے خداوند — پر ایمان لائے۔ ۱۱۵-۱۲۲

فرعون نے کہا تم لوگ میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لائے۔ یہ ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں اس غرض سے کی ہے کہ اس کے باشندوں کو یہاں سے نکالو۔ تو تم عنقریب جان لو گے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ وہ بولے، ہم اپنے رب ہی کی طرف تو لوٹیں گے! تم ہمارے درپے آزار صرف اس غصہ میں ہو رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر، جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں، ایمان لائے۔ اے ہمارے رب، ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات اسلام پر دے۔ ۱۲۴-۱۲۶

اور قوم فرعون کے اعیان نے فرعون سے کہا کیا تو اسی طرح موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ رکھے گا کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھ کو اور تیری مورتوں کو ٹھکرائیں! اس نے کہا کہ ہم ان کے ذکور کو قتل کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم ان پر پوری طرح حاوی ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو۔ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔ وہ بولے

ہم تو تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمہارے آنے کے بعد بھی۔ اس نے کہا توقع ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو پامال کرے گا اور تم کو ملک کا وارث بنائے گا کہ دیکھے تم کیا روش اختیار کرتے ہو! ۱۲۷ - ۱۲۹

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ ان کو تنبہ ہو۔ تو جب خوش حالی آتی، کہتے، یہ تو ہے ہی ہمارا حصہ اور اگر ان پر کوئی آفت آتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ سن رکھو کہ ان کی قسمت اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں کہ خواہ تم کیسی ہی نشانی ہمیں مسحور کرنے کے لیے لاؤ ہم تو تمہاری بات ماننے کے نہیں تو ہم نے ان پر بھیجے طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون، تفصیل کی ہوئی نشانیاں، تو انہوں نے تکبر کیا اور یہ مجرم لوگ تھے۔ اور جب آتی ان پر کوئی آفت تو درخواست کرتے کہ اے موسیٰ تم اپنے رب سے، اس عہد کے واسطہ سے جو اس نے تم سے کر رکھا ہے، ہمارے لیے دعا کرو۔ اگر تم نے ہم سے یہ آفت دور کر دی تو ہم تمہاری بات ضرور مان لیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے۔ تو جب ہم ان سے دور کر دیتے آفت کو کچھ مدت کے لیے جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعتہً عہد توڑ دیتے۔ تو ہم نے ان کو کیفر کردار کو پہنچا دیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروا بنے رہے۔ اور جو لوگ دبا کے رکھے گئے تھے ہم نے ان کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث ٹھہرایا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بوجہ اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغ و چمن ملیا میٹ کر دیئے۔ ۱۳۰ - ۱۳۷

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے کچھ بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا، اے موسیٰ جس طرح ان کے دیوتا ہیں اسی طرح کا ایک دیوتا تم ہمارے لیے بھی بنا دو۔ اس نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ ان لوگوں کا یہ سب کچھ جس میں یہ لگے ہوئے ہیں برباد اور جو کچھ کر رہے ہیں نابود ہونے والا ہے! اس نے کہا، کیا میں تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈوں

در آنحالیکہ وہی ہے جس نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی؟ اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں نہایت بُرے عذاب چکھاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بے دردی سے قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس کو پورا کیا دس مزید راتوں سے تو اس کے رب کی مدت چالیس راتوں میں پوری ہوئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا، میری قوم میں میری جانشینی کرنا، اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کی روش کی پیروی نہ کرنا۔ اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا تو اس نے درخواست کی کہ اے میرے رب مجھے موقع دے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ پر ٹکا رہ سکے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے، بولے تو پاک ہے، میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں پہلا ایمان لانے والا بنتا ہوں۔ فرمایا، اے موسیٰ میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغام اور اپنے کلام سے سرفراز کیا تو میں نے جو کچھ تم کو دیا اس کو لو اور شکرگزاروں میں سے بنو اور ہم نے اس کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔ پس اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنی قوم کو ہدایت کرو کہ اس کے بہتر طریقہ کو اپنائیں۔ میں تم کو عنقریب نافرمانوں کا ٹھکانا دکھاؤں گا۔ میں ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق گھمنڈ کرتے ہیں اپنی نشانیوں سے برگشتہ کروں گا اور اگر وہ ہر قسم کی نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ اگر ہدایت کی راہ دیکھیں گے تو اسے تو نہ اپنائیں گے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں گے تو اسے اپنائیں گے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروا بنے رہے۔ اور جنہوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ڈھے گئے اور وہ بدلے میں وہی پائیں گے جو وہ کرتے رہے ۔ ۱۴۰-۱۴۷

اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا۔ ایک دھڑ جس سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ نہ وہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ دکھا سکتا ہے!۔ اس کو وہ بنا بیٹھے

اور وہ اپنے اوپر بڑے ظلم ڈھانے والے تھے! ۔ اور جب ان کو تنبیہ ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے تو بولے کہ اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمارا قصور معاف نہ کیا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے ۔ اور جب موسیٰ رنج اور غصہ سے بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے، بولے تم نے میرے پیچھے میری بہت بری جانشینی کی، کیا تم نے خدا کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کر دی؟ اور انہوں نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے ۔ وہ بولا اے میرے ماں جائے! قوم کے لوگوں نے مجھے دبا لیا، قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے تو میرے اوپر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور میرا شمار ظالموں کے ساتھ نہ کر ۔ موسیٰ نے دعا کی، اے میرے پروردگار، مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر، ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو ارحم الراحمین ہے ۔ ۱۴۸ - ۱۵۱

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب لاحق ہو گا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو ۔ پر جنہوں نے برے کام کئے، پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے تو اس کے بعد تیرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے ۔ ۱۵۲ - ۱۵۳

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا اس نے تختیاں اٹھائیں اور اس کے نوشتہ میں ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہوں ۔ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے ہمارے وقت مقرر کے لیے تو جب ان کو زلزلہ نے آ پکڑا، تو موسیٰ نے کہا اے رب اگر تو چاہتا ان کو ہلاک کر چھوڑتا پہلے ہی اور مجھ کو بھی ۔ کیا تو ہمیں ایک ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے اندر کے بیوقوفوں نے کیا ۔ یہ تو بس تیری ایک آزمائش تھی ۔ تو اس سے جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت دے ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین بخشنے والا ہے ۔ اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ۔ ہم نے تو تیری طرف رجوع کیا ہے ۔ فرمایا، میں اپنے عذاب میں تو اس کو مبتلا کرتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے ۔ سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے ۔

جو پیروی کریں گے اُس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور وہ پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں۔ تو جو اس پر ایمان لائے، جنہوں نے اس کی عزت کی، اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ۱۵۷-۱۵۷۔

کہہ دو، اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس اللہ کا جس کے لئے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے نبی امی رسول پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ یاب ہو۔ ۱۵۸

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہوا جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق انصاف کرتے اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں الگ الگ امتیں بنا دیا اور ہم نے موسیٰ کی طرف، جب اس کی قوم نے پانی طلب کیا، وحی کی کہ اپنی لٹھیا پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ متعین کر لیا اور ہم نے ان پر بدلیوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ہماری بخشی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے۔ اور انہوں نے کچھ ہمارا نہیں بگاڑا بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ۱۵۹-۱۶۰

اور یاد کرو، جب ان سے کہا گیا، اس بستی میں رہو بسو، اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ پیو۔ اور توبہ استغفار کرتے رہو اور دروازے میں سرفگندہ داخل ہو تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ خوب کاروں کو ہم مزید نوازیں گے۔ تو ان میں سے ان لوگوں نے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے اس کو بدل دیا کہی ہوئی بات سے مختلف بات سے تو ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی بوجہ اس کے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ ۱۶۱-۱۶۲

اور ان سے اس بستی کا حال دریافت کرو جو دریا کے کنارے تھی۔ جب کہ وہ سبت کے معاملے میں حدود الٰہی سے تجاوز کرتے تھے۔ جبکہ سبت کا دن ہوتا تو ان کی مچھلیاں منہ اٹھائے ہوئے ان کے سامنے نمایاں ہوتیں اور جب سبت کا دن نہ ہوتا تو وہ ظاہر نہ ہوتیں۔ اسی طرح ہم ان کو آزماتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور یاد کرو جب کہ

ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جا رہے ہو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں ایک سخت عذاب دینے والا ہے۔ وہ بولے کہ یہ اس لیے کہ یہ تمہارے رب کے سامنے ہماری طرف سے عذر بن سکے اور تاکہ یہ خدا کے غضب سے بچیں۔ تو جب انہوں نے بھلا دی وہ چیز جس سے ان کو یاد دہانی کی گئی تو ہم نے ان لوگوں کو تو نجات دی جو برائی سے روکنے والے تھے اور ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔ تو جب وہ سرکشی کرکے اس چیز سے باز نہ آئے جس سے روکے گئے تو ہم نے ان سے کہا جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ۔ ۱۶۳ - ۱۶۶

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فیصلہ کیا کہ وہ روز قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو نہایت برے عذاب چکھاتے رہیں گے۔ بے شک تیرا رب جلد پاداش دینے والا اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے ان کو زمین میں منتشر کر دیا گروہ گروہ کرکے۔ ان میں کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ اس سے مختلف بھی۔ اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزمایا تاکہ وہ رجوع کریں تو ان کے بعد ان کے ایسے جانشین وارث کتاب ہوئے جو اس دنیا کی متاع اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے سب معاف کر دیا جائے گا اور اگر اسی طرح کی کوئی اور متاع ان کو مل جائے تو اسے بھی ہتھیا لیں گے۔ کیا ان سے در باب کتاب یہ میثاق نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ جوڑیں اور انہوں نے جو کچھ اس میں ہے اس کو اچھی طرح پڑھا بھی۔ اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں، تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔ اور یاد کرو جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو معلق کر دیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرا ہی چاہتا ہے، پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم خدا کے غضب سے محفوظ رہو۔ ۱۶۷ - ۱۷۱

۱۵- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۔ ۱۰۳

'من بعدھم' میں ضمیر کا مرجع وہ رسول اور ان کی قومیں ہیں جن کا ذکر اوپر آیت ۵۹ سے آیت ۹۲ تک گزرا۔

'بایٰتنا' 'آیات' سے مراد وہ معجزات بھی ہیں جو حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم کو دکھائے اور توحید، قیامت اور رسالت کے وہ فطری اور عقلی دلائل بھی جو حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے نہایت وضاحت کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کئے۔ یہ دلائل قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔ ہم انشاء اللہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں ان پر روشنی ڈالیں گے۔ حضرات انبیا علیہم السلام کی دعوت اصلاً عقل و فطرت کے بیّنات پر مبنی ہوتی ہے۔ حسّی معجزات نبوت کے لوازم میں سے نہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہیں۔ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ انبیا علیہم السلام کو حسّی معجزات بھی عطا فرماتا ہے۔ آگے ہم مناسب موقع پر واضح کریں گے کہ حضرت موسیٰؑ چونکہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس وجہ سے ان کی ذمہ داری صرف اسی قدر نہیں تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے آزاد کرا لیں بلکہ یہ ذمہ داری بھی ان پر تھی کہ اس کو ایمان و اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ قرآن سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے یہ فریضۂ رسالت انجام دیا اگرچہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایمان نہ لائے۔ صرف تھوڑے لوگ ایمان لائے اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ یہاں اس اجمالی اشارہ پر قناعت کیجئے۔ تفصیلات آگے کی سورتوں میں آئیں گی۔ تورات میں اس کے مرتبوں کی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے، حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت ایک قوم پرست لیڈر کی سرگزشت بن گئی ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ ایک جلیل القدر نبی اور رسول تھے۔ ان کی دعوت دوسرے انبیا کی دعوت اور ان کا طریقۂ کار دوسرے رسولوں کے طریقۂ کار سے بالکل مختلف کس طرح ہو سکتا ہے؟

'فظلموا بھا' 'ظلموا' کے ساتھ قرآن میں جہاں جہاں 'ب' کا صلہ آیا ہے وہاں یہ لفظ 'کفروا' اور 'جحدوا' وغیرہ کے معنی پر متضمن ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم اور اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ عربیت کے اس اسلوب کی وضاحت دوسرے مقامات میں گزر چکی ہے۔ ترجمہ میں ہم نے اس اسلوب کے مضمر مضمون کو کھول دیا ہے۔

اوپر اقوام عرب کی جو سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں اب ان کی تکمیل یہ حضرت موسیٰؑ، قوم فرعون اور بنی اسرائیل کی سرگزشت سے کی جا رہی ہے۔ یہ سرگزشت، جیسا کہ آپ نے دیکھا، نسبتاً تفصیل کے ساتھ

بیان ہوئی ہے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ سرگزشت ماضی کی کوئی طویل بسری داستان نہیں تھی بلکہ اس کا تاریخی ریکارڈ (تحریف و تغیر کے ساتھ سہی) تورات میں موجود تھا اور بنی اسرائیل جو اس کے حامل ہونے کے مدعی تھے وہ بھی سامنے موجود تھے۔ دوسری یہ کہ یہ بنی اسرائیل ہی تھے جن سے خدا نے اپنے دین و شریعت کی امانت واپس لی اور یہ امانت اس امت کے حوالہ کی اس وجہ سے اس سرگزشت کا ہر حصہ اپنے اندر دس موعظت رکھتا ہے، اس امت کے لیے بھی اور بنی اسرائیل کے لیے بھی۔

'فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین' اس سرگزشت کے سنانے کی جو اصل غایت ہے، یہ اس کی طرف اشارہ ہے تاکہ قاری کی توجہ اصل چیز سے ہٹنے نہ پائے۔ اس سورہ کے عمود کی وضاحت کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں قریش کو، تاریخ کی روشنی میں، یہ آگاہی دی جا رہی ہے کہ تمہارے اندر ایک رسول کی بعثت نے اب تمہیں خدا کی میزان عدل میں لا کھڑا کیا ہے۔ اگر تم نے اس رسول کی تکذیب کر دی تو تم خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے والے ٹھہرو گے اور تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو تم سے پہلے دوسرے مفسدین کا ہو چکا ہے۔ یہ بات یہاں واضح رہنی چاہیئے کہ صلاح و فلاح کا تمام منبع نبی کی دعوت ہوتی ہے۔ رسول جو نظام زندگی پیش کرتا ہے وہی نظام سب کی اصلاح کا ضامن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی تکذیب اور مخالفت خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے کے ہم معنی ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ - ۱۰۴ - ۱۰۵

'حقیق' 'حَقَّ' اور 'مُحِقَّ' سے فعیل کا وزن ہے اور معنی میں مفعول کے آتا ہے۔ اس کے معنی لایق، اہل اور سزاوار کے ہیں۔ مثلاً کہیں گے 'ھو حقیق بہ' وہ اس کا اہل اور سزاوار ہے۔ ھو حقیق ان یفعل کذا، وہ اہل ہے کہ فلاں کام سرانجام دے۔ اگر اس کے ساتھ 'علیٰ' آئے، جیسا کہ یہاں ہے تو، جیسا کہ صاحب اقرب الموارد نے تصریح کی ہے، اس کے معنی 'حریص' کے ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک اس کے ساتھ 'علیٰ' سے اس کے اصل مفہوم کے اندر یہ ایک اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ اضافہ اسی قاعدۂ تضمین کے تحت ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر 'ظلموا بھا' میں گزرا۔ اس وضاحت کی روشنی میں 'حقیق علی ان لا اقول' کا ترجمہ میرے نزدیک یہ ہو گا کہ 'میں اہل اور حریص ہوں اس بات کا کہ خدا پر نہ لگاؤں مگر وہی بات جو حق ہے'۔ ظاہر ہے کہ جو خدا کا رسول اور سفیر ہو وہی سب سے زیادہ اہل اس بات کا ہو سکتا ہے کہ خدا کی صحیح صحیح ترجمانی کرے، اس

پھر کوئی من گھڑت بات نہ لگائے اس لیے کہ اس کا علم ظن و قیاس پر نہیں بلکہ براہ راست خدا کی وحی اور خطاب پر مبنی ہوتا ہے اور اپنے منصب کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے وہ اس بات کا نہایت حریص بھی ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے کوئی کلمہ حق کے خلاف نہ نکلے اس لیے کہ جس پرسش کا خوف اسے ہوتا یا ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کو نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

'قد جئتکم ببینۃ من ربکم'۔ 'بینہ' سے مراد یہاں 'عصا' اور 'ید بیضا' کا وہ معجزہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلح کر کے فرعون کے پاس بھیجا۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ چونکہ فرعون کی سرکشی اور اس کے تمرد سے اچھی طرح باخبر تھے اس وجہ سے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو وہ اس بارِ گراں سے بہت مضطرب ہوئے۔ انہوں نے عرض کی کہ فرعون اور اس کے درباری میری بات سننے والے نہیں ہیں وہ میری بات تب سنیں گے جب مجھے کوئی ایسی کھلی ہوئی نشانی عطا ہو جو ان کو مرعوب کر سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص حالت کے سبب سے شروع ہی میں حضرت موسیٰؑ کو یہ معجزے عطا فرمائے اور چونکہ حضرت موسیٰؑ فرعون اور اس کے درباریوں کی ذہنیت سے آگاہ تھے اس وجہ سے انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں اپنے ان معجزات کا مظاہرہ بھی کر دیا تاکہ فرعونیوں کے کبر پر کچھ ضرب لگے اور وہ ان کی بات سننے پر آمادہ ہوں۔

'فارسل معی بنی اسرآئیل' (میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے) یہاں دو سوال ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کیا حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے کوئی دعوت نہیں پیش کی، بس بلا تمہید یہ مطالبہ ہی ان کے سامنے رکھ دیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے؟ دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو کہاں لے جانا چاہتے تھے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں انبیا اور اقوام کی جو سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں وہ مختلف سورتوں میں، سورتوں کے عمود و مضمون کے اعتبار سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان ہوئی ہیں۔ ہر سورہ میں سرگزشت کا اتنا ہی حصہ زیر بحث آیا ہے جتنے کے لیے سورہ کا مزاج مقتضی ہوا ہے۔ یہ سورہ، جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، صرف انبیا کے مکذبین کے انجام کو ظاہر کر رہی ہے اس وجہ سے اس میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت کا صرف وہی حصہ نمایاں ہوا ہے جو سورہ کے موضوع کو اجاگر کرنے والا ہے۔ اس کے بقیہ اجزاء دوسری سورتوں میں اپنے اپنے مواقع کی مناسبت سے

آئے ہیں چنانچہ دوسری سورتوں میں خشیت اور تذکر کی اس دعوت کا بھی ذکر ہے جو حضرات انبیا علیہم السلام کی عام سنت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو دی اور توحید و معاد سے متعلق اس مناظرے کا بھی ذکر ہے جو فرعون اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان ہوا۔ انشاء اللہ سورۃ طٰہٰ یا کسی اور مناسب محل میں یہ چیزیں زیر بحث آئیں گی۔

دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ قرآن میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ تورات کی کتاب خروج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ابتداً، یہ مطالبہ فرعون کے سامنے اس شکل میں رکھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ عبادت کے لیے جانے دے۔ فرعون نے اس مطالبہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا بلکہ غصہ میں آکر بنی اسرائیل کی بیگار اور مشقت میں اس نے مزید اضافہ کرنے کے احکام جاری کر دیئے کہ یہ کاہل اور کام چور ہو گئے ہیں اس وجہ سے عبادت وغیرہ کے بہانے تلاش کر رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے معجزوں سے زچ ہو کر جب وہ ذرا نرم پڑا تو اس نے دریافت کیا کہ تم کہاں عبادت کے لیے جانا چاہتے ہو، یہ عبادت اسی شہر میں کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا کہ ہم اس عبادت کے لیے تین دن کی راہ بیابان میں جائیں گے، یہاں ہم یہ عبادت اس لیے نہیں کر سکتے کہ ہم جس چیز کی قربانی کرنا چاہتے ہیں اس کی قربانی اگر ہم نے یہاں کی تو یہ مصری ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ جھگڑا عرصہ تک حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان چلتا رہا۔ بالآخر ان آفتوں سے تنگ آکر جو حضرت موسیٰؑ کے معجزوں سے ظاہر ہوئیں، درباریوں نے فرعون کو مجبور کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو جہاں جانا چاہتے ہیں جانے دے ورنہ موسیٰؑ کے ہاتھوں مصر تباہ ہو جائے گا۔ فرعون نے مجبور ہو کر اجازت تو دے دی لیکن جب حضرت موسیٰؑ اپنی پوری قوم کو زن و فرزند، مال مویشی اور جملہ اسباب و سامان کے ساتھ نکلے تو اس کو احساس ہوا کہ یہ اجازت دینے میں اس نے غلطی کی۔ چنانچہ اس نے اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا کہ مجبور کر کے ان کو واپس لائے لیکن یہ تعاقب اس نتیجہ پر منتہی ہوا کہ فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے اپنی پوری اسکیم واضح نہیں فرمائی تھی۔ صرف اتنا ظاہر کیا کہ وہ تین دن کی راہ بیابان میں جا کر خدا کی عبادت اور قربانی کرنا چاہتے ہیں اور قربانی بھی خاص طور پر گائے کی کرنا چاہتے ہیں جس سے قبطیوں نے بنی اسرائیل کو اسی طرح محروم کر رکھا تھا جس طرح بھارت میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو محروم کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے چاہا کہ مصر کے

غلامانہ ماحول سے الگ لے جا کر بنی اسرائیل کو منظم اور ان کے اندر ان تمام دینی روایات کو از سر نو زندہ کریں جو مصر کی محکومانہ زندگی میں بالکل مردہ ہو چکی تھیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ سینا کے اس علاقے میں جانا چاہتے ہوں گے جہاں انہوں نے مدین سے واپسی کے موقع پر خدا کی تجلی دیکھی تھی اور پھر جہاں ان کو اس ہجرت کے سفر میں احکام عشرہ کی الواح عطا ہوئیں۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مطالبہ کے منوانے میں حضرت موسیٰؑ کے کئی سال صرف ہو گئے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنے گوناگوں معجزات اور اپنے داعیانہ دلائل سے ایک طرف تو فرعون اور مصریوں پر اللہ کی حجت تمام کر دی، دوسری طرف بنی اسرائیل کو آزمائش کی مختلف بھٹیوں سے گزار کر اس قابل کیا کہ وہ از سر نو شریعت الٰہی کی امانت کے حامل بن سکیں۔ اس طرح بالآخر رسولوں کی معروف سنت کے مطابق ان کے لیے وقت آ گیا کہ وہ ہجرت فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت فرمائی اور اس ہجرت سے ان کے اور ان کے باایمان ساتھیوں کے لیے نجات و فلاح کی راہ کھلی اور ان کے دشمن عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ ہجرت کے باب میں، جیسا کہ ہم مختلف مقامات میں واضح کر چکے ہیں، سنت الٰہی یہی ہے اور یہ سنت جس طرح تمام رسولوں کے معاملے میں ظاہر ہوئی اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں بھی ظاہر ہوئی۔

یہاں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ جو لوگ مزید تفصیل کے طالب ہوں وہ ہمارے مجموعۂ مضامین میں وہ مضمون پڑھیں جو ہم نے خاص اسی موضوع پر لکھا ہے[1] اس میں ہم نے دکھایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی جدوجہد ہر پہلو سے ٹھیک ٹھیک انبیاء و رسل کے معروف طریقہ کے مطابق تھی۔ جن لوگوں نے ان کو نعوذ باللہ ایک قوم پرست لیڈر کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے 'ارسل معی بنی اسرائیل' کا مطلب بالکل غلط سمجھا ہے۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ ۱۰۶-۱۰۸

فرعون کے لیے یہ بات نہایت عجیب تھی کہ ایک شخص، وہ بھی اس کی رعیت میں سے، اس کے پاس خدا کا رسول ہو کر آئے۔ وہ خود، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں تصریح کر چکے ہیں، اپنے آپ

معجزات کے باب میں سنت الٰہی

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'تنقیدات'۔

کو سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج کا اوتار اور لوگوں کا رب اعلیٰ بنائے بیٹھا تھا اس وجہ سے اس نے سنتے ہی کہا، اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تم خدا کے رسول ہو کر آئے ہو تو اپنے رسول ہونے کی کوئی نشانی دکھاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے مطالبے پر 'عصا' اور 'ید بیضا' کے معجزے دکھائے۔ معجزات کے باب میں سنت الٰہی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے مذاق اور رجحانات کی رعایت سے دیئے جاتے ہیں تاکہ ان پر حجت ہو سکیں۔ مصر میں، تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں سحر و شعبدہ کا بڑا زور تھا اور سوسائٹی میں ساحروں کو بڑا مقام حاصل تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ایسے معجزے دیئے جن سے ساحروں کے طلسم کو باطل کیا جا سکے۔ عربوں میں، اس کے برعکس، سب سے زیادہ قدر و عظمت فصاحت و بلاغت کو حاصل تھی اور سوسائٹی پر دھاک خطیبوں اور شاعروں کی بیٹھی ہوئی تھی اس وجہ سے ہمارے حضورؐ کو قرآن کا معجزہ عطا ہوا جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے فصیحوں بلیغوں کو عاجز و درماندہ کر دیا۔ یہاں 'تعبیان' کے ساتھ 'مبین' کی صفت آئی ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ لٹھیا سچ مچ کا اژدھا بن گئی، ایسا کھلا اژدھا کہ کسی کے لیے شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہ بات نہیں تھی کہ ایک چیز محض رینگنے لگ گئی ہو یا اس کے اندر سر اور دم نمایاں ہو گئی ہو بلکہ عین مین اژدر، اپنی تمام خصوصیات و صفات کے ساتھ۔ اسی طرح 'بیضاء للناظرین' میں ناظرین کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہاتھ میں جو چمک ظاہر ہوتی تھی وہ محض فریب نظر کی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ غور و تامل سے دیکھنے والوں کو اس کی تابانی بالکل اصلی و حقیقی معلوم ہوتی۔ یہ ملحوظ رہے کہ 'نظر' کا لفظ اصلاً عربی میں غور و تامل سے دیکھنے کے لیے آتا ہے۔

یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ معجزہ اور سحر و شعبدہ میں امتیاز منطقی تعریف کے ذریعہ سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا اصلی فرق دو چیزوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ اول تو باہمی تقابل سے۔ جس طرح مس خام اور کندن کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو دونوں کا فرق صاف نمایاں ہو جائے گا اسی طرح جب ایک شخص معجزہ اور سحر کو ایک دوسرے کے مقابل میں دیکھتا ہے تو معجزے کی سطوت و جلالت، اس کے ظہور کا انداز، باطل پر اس کا غلبہ اور اس کی قہرمانیت پکار کر شہادت دیتی ہے کہ یہ کمہاروں کی مٹی سے بنا ہوا کھلونا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کہیں اور ہی سے ہے۔

ع جوہر جام جم از کان جہان دگر است

دوسری چیز پیش کرنے والے کی شخصیت اور کردار ہوتی ہے۔ سحر و شعبدے دکھانے والے ہمیشہ سوسائٹی کے اراذل و اغفار ہوئے ہیں جن کی ذلت و نکبت، جن کے اخلاق کی پستی اور طبیعت کی رذالت و رذالت ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ برعکس اس کے معجزے ان لوگوں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں جو انسانیت کے

معجزہ اور سحر میں امتیاز

کل سرسبد مانے گئے ہیں، جن سے دنیا نے علم و عمل اور حکمت و معرفت کے سبق سیکھے ہیں، جن کی زندگی کا ہر دور اور جن کا ہر قول و فعل اسوہ اور نمونہ قرار پایا ہے، جو زندگی کی سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ہمیشہ سو فیصدی کھرے پائے گئے ہیں۔ یہاں ان اشارات پر کفایت کیجئے۔ آگے مناسب مواقع سے ان کی تفصیل آئے گی۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ٥
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ٥
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ٥
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ - ۱۰۹-۱۱۲

"قال الملأ" الآیہ - یہ وہ مشورت ہے جو فرعون کے درباریوں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزے دیکھ کر پہلے آپس میں کی، پھر اپنی طے شدہ رائے فرعون کی خدمت پیش کی۔ انہوں نے رائے یہ قائم کی کہ یہ شخص کچھ ایسا ویسا جادوگر نہیں ہے بلکہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اور اس کے پیش نظر صرف وہی نہیں ہے جو یہ ظاہر کر رہا ہے بلکہ یہ بنی اسرائیل کو منظم کر کے یہ چاہتا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کر دے۔

فرعون اور اس کے درباریوں کا سیاسی

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ فی الواقع ان کے دل میں بھی وہی بات رہی ہو جو زبان پر آئی۔ وہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے ماضی و حاضر اور ان کے اخلاق و کردار کو سامنے رکھ کر وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نہ تو کوئی جادوگر ہو سکتے اور نہ اصلاح کے سوا ان کے سامنے کوئی اور مقصد ہو سکتا لیکن ارباب اقتدار کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ جب ان کے مقابل میں کوئی اصلاحی دعوت اٹھی ہے تو انہوں نے اپنے عوام کو اس سے برگشتہ کرنے کے لیے اس کے اندر کوئی نہ کوئی خطرناک سیاسی معنی و مفہوم پیدا کرنے کی ضرور کوشش کی ہے۔ یہی حرکت فرعون کے درباریوں نے کی۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی اس خالص اصلاحی دعوت اور جدوجہد کو متہم کرنے کے لیے یہ شگوفہ چھوڑا کہ یہ درحقیقت ارسٹوکریسی کو اس ملک سے بے دخل کرنے کی ایک سازش ہے۔

فرعون کے درباریوں کا یہ سٹنٹ وقت کے حالات کے لحاظ سے ایک موثر اور کارگر سٹنٹ تھا۔ یہ مصر کے جس دور کی سرگزشت بیان ہو رہی ہے اس دور کی تاریخ تورات میں پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں فرعون اور اس کے اعیان اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی تعداد

بہت زیادہ ہوگئی ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ طاقت پکڑ جائیں اور ایک دن ہمیں اس ملک سے نکال چھوڑیں۔ تورات کی کتاب خروج سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"اور اسرائیل کی اولاد برومند اور کثیر التعداد اور فراواں اور نہایت زور آور ہوگئی اور وہ ملک ان سے بھر گیا۔

تب مصر میں ایک نیا بادشاہ پیدا ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا دیکھو، اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہوگئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں تا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اس لیے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے لے کر ان کو ستائیں۔۔۔۔ پر انہوں نے جتنا ان کو ستایا وہ اتنا ہی زیادہ بڑھتے اور پھیلتے گئے اس لئے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہوگئے ..... تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے .... کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ ....تو اگر بیٹا ہو تو اُسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے .... اور فرعون نے اپنی قوم کے سب لوگوں کو تاکیداً کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور جو بیٹی ہو اسے جیتی چھوڑنا۔" خروج باب ۱ ۷-۲۲

یہ طویل اقتباس ہم نے محض اس لیے پیش کیا ہے کہ اندازہ ہو سکے کہ مصر کی ارسٹوکریسی بنی اسرائیل کی تعداد اور ان کی قوت سے اس زمانے میں کس درجہ تشویش میں مبتلا تھی۔ اسی زمانے میں حضرت موسیٰؑ کی دعوت بلند ہوتی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ وہ تمام بنی اسرائیل کو تین دن کی راہ بیابان میں عید قربانی منانے کے لیے لے جانے کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں فرعون کے اعیان کے پاس اپنی قوم کو حضرت موسیٰؑ اور ان کی دعوت سے دہشت زدہ کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر حربہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ یہ شگوفہ چھوڑیں کہ اب وہ خطرہ سامنے آگیا ہے جس کا ڈر لگا ہوا تھا یعنی یہ شخص بنی اسرائیل کو منظم کر کے اب تمہیں اس ملک سے بے دخل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے تو تم اپنا تحفظ چاہتے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے کمریں کس لو۔

قالوا ارجه و اخاه: یہ وہ مشورہ ہے جو پورے اتفاق رائے کے ساتھ درباریوں کی طرف سے فرعون کو پیش کیا گیا۔ وہ یہ کہ موسیٰؑ اور ہارون کے معاملے میں کوئی عاجلانہ کارروائی مناسب

نہیں ہوگی۔ تقاضائے مصلحت یہ ہے کہ ابھی ان کو ٹالیے اور مملکت کے تمام حصوں میں ہرکارے بھیج کر ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کیجیے، تاکہ وہ کسی پبلک اجتماع میں اپنے فن سے موسیٰ اور ہارون کو ایسی شکست دیں کہ ان کی ہوا اکھڑ جائے۔ اگر عام جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ اس مقابلہ میں شکست کھا جائیں گے اور الٹے ہماری ہوا خیزی ہوگی۔

اَرْجِهْ اصل میں اَرْجِئْهُ ہے۔ ارجاء کے معنی ٹالنے، کسی معاملے کو کسی دوسرے وقت پر محوّل کرنے، کسی کو منتظر بنانے کے ہیں۔ قرآن میں اس کے مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں یہ ہمزہ کے حذف اور ہ کے سکون کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ تلفظ کا یہ اسلوب اہل عرب کے قاعدے کے مطابق ہے۔ بعض مرتبہ وہ لفظ کو ہلکا کرنے کے لیے اس طرح کا تصرف کر دیتے ہیں۔ صاحب لسان نے اس کی بعض واضح مثالیں نقل کی ہیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ ۱۱۳-۱۱۴

یہاں قرآن نے اپنے معروف طریقے کے مطابق سرگزشت کا غیر ضروری حصہ نظر انداز کر دیا ہے یعنی درباریوں کی اس صلاح کے بموجب فرعون نے مملکت کے تمام شہروں کو ہرکارے دوڑائے جو ہر جگہ سے ماہر فن جادوگروں کو جمع کر کے لائے اور ان کو فرعون کے دربار میں حاضر کیا۔ چونکہ یہ بات موقع کلام سے خود واضح تھی اس وجہ سے اس کو نظر انداز کر کے آگے کی بات لے لی کہ ساحروں نے سامنے آتے ہی پیشہ وروں کے عام طریقہ کے مطابق خوشامدانہ انداز میں اپنے اس ارمان اور توقع کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے بازی جیتی تو سرکار سے بڑا انعام ملے گا۔ فرعون نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: انعام تو جو ملنا ہے ملے گا ہی، تم پہ مزید نوازش یہ ہوگی کہ تم خاص مقربین میں شامل کیے جاؤ گے۔

ساحروں کی اخلاقی پستی ایمان لانے سے پہلے

قرآن نے ساحروں کی اس حرص و طمع کا اظہار خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ واضح ہو جائے کہ ساحروں اور شعبدہ بازوں کی اخلاقی پستی اور دناءت کا کیا حال ہوتا ہے۔ پھر آگے چل کر انہی ساحروں کا وہ انقلاب حال نمایاں کیا ہے کہ ایمان کی دولت نصیب ہوتے ہی ان کے اندر پیدا ہوا کہ مال و زر کی طمع تو درکنار ان کو اپنی جان کی بھی کوئی پروا نہیں رہی اور فرعون کی دھمکی کے جواب میں انہوں نے صاف سنا دیا کہ جو کرنا ہے کر گزرو، ہمیں کوئی پروا نہیں ہے۔ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝
قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْ

هَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ - ۱۱۵ - ۱۱۶

[illegible] ساحروں نے اپنے پیشہ وارانہ اخلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگرچہ پیشکش تو حضرت موسیٰؑ کو کی کہ وہ چاہیں تو پہلے اپنا فن دکھائیں لیکن دبی زبان سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا کہ وہ پہل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پہلے انہی کو موقع دیا کہ وہ اپنا ہنر دکھائیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو پورا اعتماد تھا کہ انہیں خدا کی تائید حاصل ہے اس وجہ سے یہ ساحر کتنا ہی بڑا جادو دکھائیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سحر کو باطل کر کے رہے گا۔

'سحروا اعین الناس واسترھبوھم' سے یہ بات نکلتی ہے کہ جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی۔ بس دیکھنے والوں کی آنکھوں اور ان کی قوت متخیلہ پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آدمی ایک شے کو اس شکل میں دیکھنے لگتا ہے جس شکل میں ساحر اس کو دکھانا چاہتا ہے۔

'القاء' کا لفظ یہاں پیش کرنے اور دکھانے کے مفہوم میں ہے۔ جس طرح جوئے اور پانسے کے تیر پھینکے جاتے ہیں اسی طرح ساحر بھی کوئی چیز ناظرین کے سامنے پھینکتے ہیں اور اس پر اپنا جادو دکھاتے ہیں اس مناسبت سے اس کے لیے لفظ 'القاء' کا استعمال موزوں ہوا۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِیْنَ ۝ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ ۱۱۷ - ۱۲۲

سحر اور معجزہ میں فرق 'لقف' کے معنی کسی چیز کو جلدی جلدی نگلنے اور 'افک یافک' کے معنی جھوٹی اور خلاف واقعہ بات کہنے یا کرنے کے ہیں۔ اوپر گزرا کہ سحر سے کسی شے کی حقیقت یا ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اس کا تمام تر تعلق دیکھنے والوں کی نگاہ اور ان کی قوت متخیلہ کے تاثر سے ہوتا ہے اس وجہ سے سحر سے جو کرشمہ ظاہر ہوتا ہے وہ یکسر باطل، جھوٹ اور فریب نظر و تخیل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس معجزہ یکسر حقیقت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جب ساحروں نے اپنا سحر دکھایا اور اس کے اثر سے ان کی رسیاں سانپوں کی طرح رینگتی نظر آئیں تو ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ تم اپنا عصا پھینکو وہ اژدھا بن کر ان کے تمام نمائشی سانپوں سپولیوں کو ہڑپ کر جائے گا۔

'فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون'۔ یہ بالکل ویسی ہی بات ہے کہ مرد نخشب کے مقابلہ

میں خورشید جہاں تاب نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں مصنوعی چاند سورج ہوں جب بھی حقیقی سورج کے نکلتے ہی ان کی چمک دمک ملمع کی طرح غائب ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کے ظاہر ہوتے ہی ساحروں کا سارا طلسم غائب ہو گیا۔ اوپر ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ معجزہ اور سحر کا حقیقی فرق میدان مقابلہ میں نمایاں ہوتا ہے۔ جب دونوں کا تصادم ہوتا ہے تو حق لازماً غالب ہوتا ہے اور باطل لازماً شکست کھاتا ہے۔

'فغلبوا ھنالک' الایہ۔ یہ بات صرف ساحروں سے متعلق نہیں بلکہ فرعون اور اس کے تمام اعیان و انصار سے متعلق ارشاد ہوئی ہے کہ وہ میدان مقابلہ سے ذلیل و خوار ہو کر لوٹے۔ قرآن میں دوسری جگہ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ یہ مقابلہ ایک خاص میلہ کے دن کھلے میدان میں ہوا تھا اور فرعون کی طرف سے اس امر کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ اپنے آدمی زیادہ سے زیادہ تعداد میں اکٹھے ہوں تاکہ اپنی فتح کا ڈنکا پوری دھوم سے بجایا جائے لیکن ایسی رسوائی ہوئی کہ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔

'والقی السحرۃ ساجدین' ساحر حضرت موسیٰؑ کے معجزے کی قہرمانیت سے اتنے متاثر و مرعوب ہوئے کہ بے تحاشا سجدے میں گر پڑے۔ مجہول کا صیغہ ان کے جذبۂ تعظیم و اکرام سے مغلوبیت کی تعبیر کے لیے ہے۔ تعظیم و اکرام کے لیے سجدہ کا رواج مصریوں، عربوں، اسرائیلیوں سب میں رہا ہے اگرچہ اکثر حالات میں اس کی حد وہی ہوتی تھی جو ہمارے ہاں نماز میں رکوع کی ہوتی ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ سحر اور معجزے میں امتیاز کی سب سے زیادہ صلاحیت خود ساحر کے اندر ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے اندر اعتراف حق کے لیے اخلاقی جرأت ہو۔ ساحر اپنے علم کی حقیقت اور اپنے مبلغ سے اچھی طرح آشنا ہوتا ہے اس وجہ سے جب اس کو معجزہ سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ دیکھتے ہی تاڑ جاتا ہے کہ یہ چیز اس کے فن سے ماورا ہے۔ چنانچہ فرعون کے ان ساحروں نے بھی دیکھتے ہی اپنی بے بسی اور حضرت موسیٰؑ کی فائقیت کا اعتراف کر لیا اور ان کی تعظیم میں سر جھکا دیے۔

'قالوا امنا' الایہ۔ ساحروں نے حضرت موسیٰؑ کی تعظیم ہی پر بس نہیں کیا بلکہ صاف صاف اپنے ایمان کا اعلان بھی کر دیا اور وہ اس تصریح کے ساتھ کہ 'ہم عالم کے رب، موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے'۔ جس کے صاف معنی یہ بھی تھے کہ انہیں فرعون کی خدائی سے انکار ہے۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس اعلان کا سارے مجمع پر کیا اثر پڑا ہو گا اور فرعون اور اس کے درباریوں کی کیسی رسوائی ہوئی ہو گی!

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر چند یہ لوگ جادوگر تھے اور ان کے اندر اس پیشہ کی بعض خصوصیات بھی، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، پیدا ہو گئی تھیں تاہم حق پسندی کی کچھ رمق ان کے اندر موجود تھی چنانچہ سورہ طٰہٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقابلہ کے لیے وہ خورسندی سے نہیں آئے تھے بلکہ مجبور کر کے لائے

گئے تھے۔ خود ان کا قول نقل ہوا ہے کہ انا امنا بربنا لیغفر لنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر۔ (ہم اپنے رب پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطاؤں اور اس سحر کو معاف کرے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا) ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اندازہ رکھتے ہوں کہ حضرت موسیٰؑ کوئی ساحر نہیں ہیں اور نہ انہوں نے جو چیز پیش کی ہے وہ سحر ہے۔ اس وجہ سے وہ ان کے مقابلہ سے گریز کرنا چاہتے رہے ہوں لیکن فرعون اور اس کے کارندوں کے ڈر سے انہیں مجبوراً یہ کام کرنا پڑا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اندر حق پسندی کی ایک روشنی دبی دبائی موجود تھی جو حضرت موسیٰؑ کے اس معجزے کی جلالت سے بھڑک اٹھی۔ صداقت کا کوئی کرشمہ بھی انسان کے اندر موجود ہو تو بتوفیق الٰہی وہ اپنا اثر دکھا ہی جاتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ ۱۲۳ - ۱۲۴

یہ بڑا ہی نازک موقع تھا۔ فرعون اور اس کے درباریوں بلکہ اس کی پوری قوم کی ہوا بالکل اکھڑ چکی تھی لیکن فرعون بھی بڑا ہی کائیاں سیاسی تھا۔ اس نے بگڑتے ہوئے حالات سنبھالنے کے لیے فوراً یہ شغلا چھوڑا کہ یہ ان ساحروں اور موسیٰؑ کی ملی بھگت ہے۔ یہ ساحر ہم کو یہاں سے بے دخل کرنے کی سازش میں موسیٰؑ کے شریک ہیں۔ انہوں نے پہلے سے آپس میں یہ مشورت کر رکھی تھی کہ ہم عین موقع پر اپنی شکست مان کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیں گے جس سے موسیٰؑ کی دھاک سب پر بیٹھ جائے گی اور اس طرح ہم موجودہ برسر اقتدار گروہ کا اقتدار ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے ان پر سازش اور بغاوت کا الزام رکھ کے ان کے لیے اس سزا کا بھی اعلان کر دیا جو ریاست کے باغیوں کے لیے ملک کے قانون میں موجود تھی۔ یعنی پہلے ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹے جائیں پھر برسر عام سولی دی جائے۔

فرعون کے قول آمنتم بہ قبل ان اذن لکم سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کی حکومت میں مذہبی آزادی کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور ہو بھی کیسے سکتی تھی جبکہ بادشاہ خود اپنے آپ کو لوگوں کا رب اعلیٰ بنائے بیٹھا تھا۔ اس صورت میں تو جو بھی اس کے سوا کسی اور کو رب مانتا وہ لازماً فرعون کا باغی قرار پاتا۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ۔ ۱۲۵-۱۲۶

ایمان باللہ کا کرشمہ!

ایمان باللہ کا کرشمہ دیکھئے۔ یہ وہی جادوگر ہیں جن کی دناءت اور پست ہمتی کا ابھی چند منٹ پہلے یہ حال تھا کہ اپنے کرتب دکھانے کے لیے فرعون کے سامنے حاضر ہوئے ہیں تو بھانڈوں، نقالوں اور مسخروں کی طرح اپنے فن کے مظاہرہ پر بھرپور انعام کی التجا پیش کرتے ہیں یا اب یہ حال ہے کہ ایمان کی روشنی دل میں داخل ہوتے ہی ان کے باطن کا ہر گوشہ اس طرح جگمگا اٹھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے تاریکی کی کوئی پرچھائیں ان کے دلوں پر کبھی پڑی ہی نہیں تھی اور یہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں بلکہ یہ عزیمت و استقامت کے پہاڑ اور پاکیزگی و قدوسیت کے ملائک صفت پیکر ہیں۔ غور کیجئے، فرعون نے کتنی بڑی دھمکی ان کو دی! لیکن انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا تو یہ فرمایا کہ کچھ غم نہیں، اگر تم نے ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمیں سولی دے دی تو ہم کہیں اور نہیں جائیں گے، اپنے رب ہی کے پاس جائیں گے اور جب تیرا سارا غضب ہمارے اوپر اس جرم میں ہے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر، جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں، ایمان لائے تو جو کچھ تو کر سکتا ہے وہ کر گزر، اگر اس جرم کی یہ سزا ہے تو ہم اس سزا کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اس انقلاب حال کے سبب پر غور کیجئے تو یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ اگر انسان ایمان سے خالی ہے تو اس سے زیادہ حقیر کوئی شے نہیں اور اگر وہ ایمان سے بہرہ مند ہے تو اس سے زیادہ بلند کوئی شے نہیں۔

'ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین' یہ آگے پیش آنے والے حالات میں صبر و استقامت کی توفیق بخشے جانے کی دعا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا ہے اور فرعون نے اپنی سزاؤں کا۔ اب ہمارا سارا بھروسہ اے رب، تیرے اوپر ہے۔ تو ہمارے اوپر صبر کے دونگڑے برسا اور تمام آزمائشوں کے علی الرغم موت ایمان و اسلام پر عطا فرما۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾

فرعون کے درباریوں کی بوکھلاہٹ

اس کھلے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی نے فرعون اور اس کے درباریوں کو بالکل بوکھلا دیا۔ درباریوں نے فرعون سے باصرار یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب موسیٰؑ اور ان کی قوم کو مزید ڈھیل دینے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ اگر ان کو مزید موقع دیا گیا تو یہ آپ کو اور آپ کے تنوں کو چھوڑ بیٹھیں گے اور ملک میں بغاوت برپا کرا دیں گے۔ فرعون نے ان کو اطمینان دلایا کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہمارا اقتدار پوری طرح ان کے اوپر مستحکم ہے۔ ہم ان کے ذکور کو قتل کرتے رہیں گے، ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے قابو میں ہیں اگر ہم ان کو زور پکڑنے دینا نہ چاہیں تو یہ کیا کر سکتے ہیں۔

اوپر لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں کے زندہ رکھنے کی ظالمانہ اسکیم کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ اسکیم اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ بنی اسرائیل کی تعداد ملک میں اتنی زیادہ نہ ہو جائے کہ وہ ارسٹوکریسی کے لیے خطرہ بن جائیں۔ اول اوّل تو یہ اسکیم دائیوں کے عدم تعاون کی وجہ سے ناکام ہو گئی لیکن فرعون اس ناکامی سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اس نے عام لوگوں کو یہ حکم دے دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو دریا میں پھینک دیا کریں۔ یہاں فرعون نے اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم بہرحال ان کو اپنے لیے خطرہ نہیں بننے دیں گے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اس سکیم کو مزید قوت و شدت کے ساتھ چلائیں گے۔

دو طرفہ خطرہ

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگرچہ فرعونی ان اسرائیلیوں سے اس درجہ خائف تھے لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں تھے کہ وہ مصر سے یک قلم نکل جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی تمام رفاہیت و خوش حالی انہی غلاموں کی رہین احسان تھی۔ اوپر لکھا جا چکا ہے، اینٹیں بنانے سے لے کر زراعت اور تعمیرات کے سارے کام انہی کی مشقت سے انجام پاتے تھے۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کا کام صرف عیش کرنا اور ان اسرائیلیوں پر حکومت کرنا اور ان سے بیگار لینا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں نہ تو فرعونیوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اسرائیلیوں کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع دیں، نہ یہ ممکن تھا کہ ان کو یک قلم مصر سے نکل جانے دیں۔ اس دو طرفہ خطرے سے بچنے کے لیے فرعون اور اس کے لال بجھکڑوں نے یہ پالیسی بنائی کہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کر کے ان کی تعداد کو قابو میں رکھا جائے۔ آدمی جب اپنے حدود سے تجاوز کر کے خدائی حدود میں مداخلت شروع کر دیتا ہے تو اس کی عقل اسی طرح ماری جاتی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

'ویذرک و آلھتک' کی تاویل میں ہمارے علماء اور مفسرین کو بڑا اضطراب پیش آیا ہے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ 'آلھتک' کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے دیوی دیوتا بھی مصر میں تھے جس کی پرستش خود فرعون بھی کرتا تھا۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے رب اعلیٰ ہونے کے دعوے کی توجیہ کیا ہو گی؟ جو خود رب اعلیٰ ہونے کا مدعی ہو وہ کسی دوسرے دیوی دیوتا کا ماننے والا یا ان کی پرستش کرنے والا کیسے ہو سکتا ہے؟

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ فرعون اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا — سورج — کا اوتار سمجھتا تھا۔ اس طرح اس کی حیثیت اوتار بادشاہ (God King) کی تھی۔ گویا وہ بیک وقت مصریوں کا بادشاہ بھی تھا اور ان کے سب سے بڑے دیوتا کا مظہر اور اوتار ہونے

کے سبب سے ان کا رب اعلیٰ بھی۔ اس نے اپنے بے شمار اسٹیچو اور بت بنوا کر اپنی مملکت میں جگہ جگہ نصب کرا دیئے تھے اور اس کی رعایا ان کے درشن اور ان کے آگے ڈنڈوت کرتی تھی۔ اس طرح بادشاہ کو بیک وقت رعایا پر خدائی اور شاہی دونوں کے اختیارات حاصل تھے۔ یہاں 'الہتک' کے لفظ سے اس کے انہی اسٹیچوں اور بتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کی ذات کی نمائندگی کرتے تھے۔ مصر کے قدیم مندروں کے جو آثار ملے ہیں ان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْا اُوْذِيْنَا مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۔ ۱۲۸ - ۱۲۹

تفسیر سورہ بقرہ کی فصل ۱۳ میں ہم اقامت دین کی جدوجہد میں صبر اور نماز کی اہمیت پر بحث کر چکے ہیں۔ درحقیقت اس جہاد میں یہی دو چیزیں وسیلۂ ظفر ہیں۔ قرآن میں مشکلات راہ کے مقابلہ کے لیے ہر جگہ انہی دو ہتھیاروں سے مدد حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں اگرچہ بظاہر لفظ اللہ وارد ہوا ہے لیکن اس سے مراد نماز ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا ذریعہ نماز ہی ہے۔ فرعون نے اس شکست سے گھبرا کر بنی اسرائیل کو دبانے اور ان کی نسل کو تباہ کرنے کا جو عزم ظاہر کیا اس سے قدرتی طور پر بنی اسرائیل کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ ان کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے ان کو نماز اور صبر کی تلقین کی۔ فتنوں اور آزمائشوں میں استقامت بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ کام اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے کہ وما صبرک الا باللہ (اور تمہیں صبر نہیں حاصل ہو سکتا مگر اللہ ہی کی مدد سے) اللہ کی یہ مدد حاصل کرنے کا واسطہ نماز ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اس نماز سے مراد صرف عام نماز نہیں ہے، بلکہ وہ خاص نماز بھی ہے جس کی تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو مکی زندگی کے ابتدائی پُرمحن دور میں کی گئی تھی۔ اسی چیز کی تاکید حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی کی گئی۔ سورہ یونس کی آیت ۸۷ کے تحت ان شاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

ان الارض للہ الایہ۔ یہ فرعون کے اس غرور کی جو انا فوقھم قاھرون! کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے، تردید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے منہ سے اپنے متعلق جو چاہے قاہر و مقتدر ہونے کا دعویٰ کرتا رہے لیکن زمین کا اصل مالک اللہ ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت کار کی کامیابی بہرحال خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔ رسولوں سے متعلق اس

سنت الٰہی کی وضاحت ہم ایک سے زیادہ مقامات میں کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو لازماً ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔ عام اس سے کہ یہ غلبہ ان کی زندگی میں ہی حاصل ہو یا ان کی زندگی کے بعد ان کے پیروؤں کو حاصل ہو اور قطع نظر اس سے کہ وہ اسی سرزمین پر قابض ہوں جس میں انہوں نے اپنی دعوت بلند کی یا اللہ تعالیٰ ان کو اس علاقے سے ہجرت کا حکم دے اور ان کی برومندی کے لیے زمین کے کسی اور خطے کا انتخاب فرمائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو دشمن پر غلبہ تو ان کی زندگی ہی میں بلکہ مذکورہ بالا واقعات کے پیش آنے کے بہت تھوڑے عرصے کے بعد ہی حاصل ہو گیا لیکن ان کی امت کو حکومت عطا ہوئی فلسطین کی سرزمین کی اور یہ کام تکمیل کو پہنچا ان کی وفات کے بعد۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مصر میں بھی اس عذاب کے بعد، جو فرعون اور اس کی قوم پر آیا، وہ ارسٹوکریسی بالکل تباہ ہو گئی جو مصر پر قابض تھی اور ان کی جگہ دوسرے لوگ قابض ہو گئے جو خاندان اور روایات میں بالکل مختلف تھے اور ان کے ساتھ سابق حکمرانوں کی سیاسی رقابتیں بھی تھیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ ساز باز کر کے کہیں ملک کے حکمران نہ بن بیٹھیں۔ یہ مسئلہ چونکہ تاریخ کا ہے اور براہ راست ہم سے متعلق نہیں ہے اس وجہ سے ہم صرف اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔ تفصیل کے طالب اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔

بنی اسرائیل کی بے اعتقادی

'قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا الایۃ' بنی اسرائیل پر ان کی بے یقینی اور ضعیف الاعتقادی کے سبب سے، حضرت موسیٰؑ کی یہ تلقین بے اثر ہی رہی۔ وہ بولے کہ ہمارے دن تو سخت سے سخت ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب حالات و واقعات یہ ہیں جو پیش آئے اور پیش آ رہے ہیں تو تمہارے ان وعدوں اور تمہاری ان طفل تسلیوں پر کون جی سکتا ہے۔ تم تو رحمت کے بجائے ہمارے لیے زحمت ہی زحمت بنتے جا رہے ہو۔ اوپر تورات کے حوالے سے ہم بیان کر آئے ہیں کہ مصر پر قابض ارسٹوکریسی بنی اسرائیل کی روز افزوں تعداد سے بہت گھبرائی ہوئی تھی اور اس کی روک تھام کے لیے اس نے ان کی نسل کشی کی مہم چلا رکھی تھی۔ بعد میں جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی تنظیم و اصلاح کی دعوت لے کر اٹھے تو ارباب اقتدار کی یہ گھبراہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کو ایک طاقتور لیڈر مل گیا ہے اور اب جلد وہ ایک منظم قوت بن کر ہمارے اقتدار کو چیلنج کر دیں گے۔ اس گھبراہٹ میں فرعون نے ایک طرف تو ان کی نسل کشی کی مہم کو مزید قوت و شدت کے ساتھ چلانے کے احکام جاری کر دیئے، دوسری طرف اپنے کارندوں، تحصیلداروں اور عمال کو یہ ہدایت کی کہ بنی اسرائیل سے جو بیگار لی جا رہی ہے وہ سخت سے سخت تر کر دی جائے۔ اینٹیں بنانے کے لیے جو بھس ان کو دیا جاتا رہا ہے وہ بند کر دیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ بھس بھی وہی بٹوریں اور اینٹیں

بھی لازماً ہر شخص سے روزانہ اتنی ہی بنوائی جائیں جتنی اب تک وہ بناتے رہے ہیں۔ اس طرح عذاب کا وہ شکنجہ جو پہلے بھی کچھ کم سخت نہ تھا حضرت موسیٰؑ کے بعد اور بھی سخت ہو گیا۔ بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ حضرت موسیٰؑ کے کھاتے میں ڈال دیا کہ یہ سب تمہاری برکتیں ہیں۔!

"قال عسٰی ربکم ان یہلک عدوکم الآیۃ" بنی اسرائیل کی مایوسی و بیدلی دور کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے پھر ان کو تسلی دی کہ مایوس اور ہراساں نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور زمین میں تمہیں خلافت عطا فرمائے گا۔ یہاں زمین سے مراد مصر کی سرزمین نہیں ہے بلکہ جیسا کہ آگے آیت ۱۳۷ میں اس کی وضاحت ہوئی ہے، اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے۔ فرمایا "وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ" (اور جو قوم دبا کے رکھی گئی تھی ہم نے ان کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے بڑی برکتیں رکھی تھیں، اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بسبب اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے) ظاہر ہے کہ "بارکنا فیہا" سے جس علاقہ کی طرف اشارہ ہے وہ فلسطین ہی کا علاقہ ہے اور اس آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ اس علاقے کی حکومت دے کر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وہ وعدہ پورا کیا جو آیت زیر بحث میں حضرت موسیٰؑ کی زبانی مذکور ہے۔

"فینظر کیف تعملون" یہ استخلاف فی الارض کے اصل مقصد کی یاد دہانی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو مٹاتا اور دوسری کو عروج و اقبال بخشتا ہے تو صرف یہ دیکھنے کے لیے کرتا ہے کہ اقتدار کی وراثت پا کر یہ قوم کیا رویہ اختیار کرتی ہے، یہ بھی پچھلی قوم کی طرح بدمست ہو کر زمین میں فساد مچاتی ہے یا اس خلافت و وراثت کا حق پہچانتی اور اس کو ادا کرتی ہے۔ اگر یہ بھی اسی روش پر چل نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایک خاص مدت تک مہلت دے کر فنا کر دیتا ہے اور ان کی جگہ دوسروں کو دے کر ان کو آزماتا ہے۔ امتحان کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے گا برابر جاری رہے گا۔ اس وجہ سے کسی قوم کو یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ جب وہ ایک مرتبہ خدا کی محبوب بن گئی تو ہمیشہ محبوب ہی بنی رہے گی، خواہ اس کے اعمال و عقائد میں کتنی ہی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔ ۱۳۰

"سنین" سنۃ کی جمع ہے۔ اس کے عام معنی تو سال کے ہیں لیکن یہ قحط اور مصیبت کے سال کے معنی میں بھی معروف ہے اور اسی مفہوم میں یہاں یہ استعمال ہوا ہے۔

اوپر آیت نمبر ۹۴ - ۹۵ کے تحت ہم اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جب وہ اپنا کوئی رسول بھیجتا ہے تو اس کی دعوت کے مویدات، مختلف قسم کی آزمائشوں کی شکل میں، وہ آفاق و انفس میں بھی ظاہر فرماتا ہے تاکہ لوگوں کے کان رسول کی دعوت کے لیے کھلیں، وہ عبرت پکڑیں اور اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ اسی سنت الٰہی کی طرف یہاں اشارہ فرمایا کہ ایک طرف موسیٰؑ نے اپنی دعوت بلند کی اور اپنے معجزات سے فرعونیوں کو جھنجھوڑا، دوسری طرف ہم نے قوم فرعون کو قحط اور پیداوار کی کمی کی آزمائشوں میں مبتلا کیا تاکہ ان کے اندر خدا کا خوف اور اس کی یاد پیدا ہو۔

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ
يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ
اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَـكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۔ ۱۳۱ - ۱۳۲

'تطیر' 'طیر' سے ہے۔ طیر، چڑیوں اور پرندوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ توہم پرستوں میں چڑیوں کے اڑنے سے فال لینے کا عام رواج رہا ہے اس وجہ سے 'تطیر' کا لفظ فال لینے کے معنی میں استعمال ہوا۔ پھر اس کا غالب استعمال فال نحس کے معنی میں ہو گیا۔ اسی مادے سے 'طائر' کا لفظ بھی ہے جو اس چیز کے لیے استعمال ہوا جس سے کوئی نیک یا بد فال لی جائے اور پھر اسی مفہوم سے ترقی کر کے حظ، قسمت اور نصیبہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

اب یہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو آزمائشیں فرعونیوں کو جھنجھوڑنے اور جگانے کے لیے بھیجیں کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوں انھوں نے ان کو حضرت موسیٰؑ کی نحوست کا نتیجہ قرار دیا۔ جب حالات سازگار ہوتے تو اس کو تو اپنی خوش بختی، بلند اقبالی اور اپنے استحقاق کی برکت قرار دیتے لیکن جب کسی ارضی و سماوی آفت سے دوچار ہوتے تو کہتے کہ یہ موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے کہ یہ جو بے دینی و بے عقیدگی پھیلا رہے ہیں اس سے ارضی و سماوی دیوتا ناخوش ہو گئے ہیں جس کا نتیجہ ان آفتوں کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ فرمایا کہ ان کا طائر قسمت و نحوست ہے تو خدا کے پاس اور یہ پیدا ہوا ہے ان کی اپنی ہی بد اعمالیوں سے لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت سے ناواقف ہے اس وجہ سے وہ اپنی نحوست دوسروں کے طالع میں ڈھونڈ رہے ہیں۔

'قالوا مھما تاتنا الایہ' یہ ان کا حتمی جواب نقل ہوا ہے کہ خواہ ہم پر جادو چلانے کے لیے تم کتنی ہی نشانیاں دکھاؤ ان چیزوں سے مرعوب ہو کر ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۔ ۱۳۳ - ۱۳۵

اوپر آیت ۱۳۰ میں جن آزمائشوں کا ذکر ہوا ہے، یہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس عام سنت الٰہی کے تحت ظہور میں آئیں جو ہر رسول کی دعوت کی تائید و تقویت اور لوگوں کے اندر تضرع اور تذکر پیدا کرنے کے لیے رحمت الٰہی کا مقتضیٰ ہیں لیکن جب فرعونی ان سے اثر پذیر نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں نہایت اہم معجزات دکھائے جن میں سے چند کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔ ہم تورات کی روشنی میں ان کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

'طوفان'۔ تورات میں اس طوفان کی تفصیل اس طرح آئی ہے۔

"اور خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تاکہ سب ملک مصر میں انسان اور حیوان اور کھیت کی سبزی پر جو ملک مصر میں ہے اولے گریں۔ اور موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی آسمان کی طرف اٹھائی اور خداوند نے رعد اور اولے بھیجے اور آگ زمین تک آنے لگی اور خداوند نے ملک مصر پر اولے برسائے پس اولے گرے اور اولوں کے ساتھ آگ ملی ہوئی تھی اور وہ اولے ایسے بھاری تھے کہ جب سے مصری قوم آباد ہوئی ایسے اولے ملک میں کبھی نہیں پڑے تھے اور اولوں نے سارے ملک مصر میں ان کو جو میدان میں تھے، کیا انسان کیا حیوان، سب کو مارا اور کھیتوں کی ساری سبزی کو بھی اولے مار گئے اور میدان کے سب درختوں کو توڑ ڈالا۔"

خروج باب ۹ ۲۲ - ۲۵

اس سے معلوم ہوا کہ یہ طوفان رعد، گرج، کڑک اور اولوں کا طوفان تھا۔ بارش اور ہوائے تند بھی اکثر اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں آگ کا جو ذکر ہے یہ تورات کے مترجموں کی غلطی ہے۔ اس سے مراد ہماری عام آگ نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ بجلی ہے جو اس طرح کے طوفان کے لوازم میں سے ہے۔

'جراد'۔ 'جراد' ٹڈی کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل تورات میں یوں آئی ہے۔

"تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ملک مصر پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ ٹڈیاں ملک مصر پر آئیں اور

قسم کی سبزی کو جو اس ملک میں اولوں سے بچ رہی ہے چٹ کر جائیں۔ پس موسیٰ نے ملک مصر پر اپنی لاٹھی بڑھائی اور خداوند نے اس سارے دن اور ساری رات پروا آندھی چلائی اور صبح ہوتے ہوتے پروا آندھی ٹڈیاں لے آئی اور ٹڈیاں سارے ملک مصر پر چھا گئیں اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا اور ان کا دل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو ان سے پہلے ایسی ٹڈیاں کبھی آئیں اور نہ ان کے بعد پھر آئیں گی۔ کیونکہ انہوں نے تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا، ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا اور انہوں نے اس ملک کی ایک ایک سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے چٹ کر لیا اور ملک مصر میں نہ تو کسی درخت کی نہ کھیت کی کسی سبزی کی ہریالی باقی رہی۔" خروج باب ۱۰: ۱۲-۱۵

'قمل' کے معنی ہیں جوئیں۔ یہ آفت جس شکل میں ظاہر ہوئی اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے۔

" تب خداوند نے موسیٰ سے کہا، ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مار تا کہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہو گئیں اور تمام ملک مصر میں زمین کی ساری گرد جوئیں بن گئی۔" خروج باب ۸: ۱۶-۱۷

'ضفادع'، 'ضفادع' 'ضفدع' کی جمع ہے۔ 'ضفدع' مینڈک کو کہتے ہیں۔ اس عذاب کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اس سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے کہ میری عبادت کریں۔ اور اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے ماروں گا اور دریا بے شمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آکر تیرے گھر میں اور تیری آرام گاہ میں اور تیرے پلنگ پر اور تیرے ملازموں کے گھروں اور تیری رعیت پر اور تیرے تنوروں اور تیرے آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھریں گے اور تجھ پر اور تیری رعیت اور تیرے نوکروں پر چڑھ جائیں گے۔ اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو ملک مصر پر چڑھا لا۔ چنانچہ جتنا پانی مصر میں تھا اس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور ملک مصر کو ڈھانک لیا۔" خروج باب ۸: ۱-۶

'دم' کے معنی خون کے ہیں۔ اس کے ظہور کی شکل اس طرح مذکور ہے۔

" اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے اور مصر میں جتنا پانی ہے یعنی دریاؤں، اور نہروں اور جھیلوں اور تالابوں پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ وہ خون بن جائیں اور سارے ملک مصر میں پتھر اور لکڑی کے برتنوں میں بھی خون ہی خون ہو گا اور موسیٰ اور ہارون نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا۔ اس نے لاٹھی اٹھا کر اسے فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہو گیا اور دریائی مچھلیاں مر گئیں اور دریا سے تعفن اٹھنے لگا اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہو گیا۔ خروج ۷: ۱۹-۲۱

'اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ' - یعنی یہ تمام نشانیاں تفصیل سے مذکور ہیں - قرینہ دلیل ہے کہ 'مفصلات' کا ظرف یہاں محذوف ہے - یعنی ان کی تفصیل تورات میں موجود ہے - چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ اسی ذیل کے چند اور معجزات بھی تمام جزئیات کی تفصیل کے ساتھ تورات میں بیان ہوئے ہیں - قرآن نے ان کی طرف چونکہ صرف اشارہ کیا ہے اس وجہ سے ان کی تفصیلات کے لیے حوالہ تورات کا دے دیا ہے۔

'فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ' یعنی بجائے اس کے کہ ان سے ان کے اندر تضرع اور تذکر پیدا ہوتا الٹے غرور اور تکبر میں اضافہ ہوا - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ تھے اور اللہ تعالیٰ مجرموں کو راہ یاب نہیں کرتا - ان کے لیے نشانیاں ہدایت کے بجائے صرف اتمام حجت اور قساوت قلب کا باعث بنتی ہیں -

'لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ الآیۃ' 'لَمَّا' 'کلما' کے معنی میں بھی آتا ہے - خاص طور پر ان مواقع میں جہاں مدنظر تصویر حال ہو - آگے آیت ۱۸۹ میں اس کی نظیر موجود ہے -

مطلب یہ ہے کہ جب جب وہ عذاب کی گرفت میں آتے حضرت موسیٰؑ کی منت سماجت کرنے لگتے کہ اس قرب و تعلق کی بنا پر جو تمہیں اپنے رب سے ہے، ہمارے لیے دعا اور سفارش کرو کہ یہ عذاب ہمارے سر سے ٹل جائے، اگر تم نے اس کو ٹال دیا تو ہم ضرور تمہاری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ جانے دیں گے لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو اپنے وعدے سے پھر مکر جاتے - تورات میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے :-

" تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تاکہ وہ خداوند کے لیے قربانی کریں " خروج ۸ : ۸

"فرعون نے کہا میں تم کو جانے دوں گا تاکہ تم خداوند اپنے خدا کے لیے بیابان میں قربانی کرو لیکن تم بہت دور مت جانا اور میرے لیے شفاعت کرنا ...... پر فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کر لیا اور ان لوگوں کو جانے نہ دیا۔ خروج ۸ : ۲۸-۳۲

'بما عہد عندک' کا مفہوم میرے نزدیک یہ ہے کہ چونکہ خدا تمہاری بات سنتا اور تمہاری دعا کی حرمت قائم رکھتا ہے اس وجہ سے ہمارے لیے دعا کرو۔

'الی اجل ھم بالغوہ' سے مقصود ان کی بے ضمیری اور ان کے سفلہ پن کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ ان کے فریب اور جھوٹ پر زیادہ دیر تک پردہ نہ پڑا رہ سکے گا، محض اس خیال سے جھوٹا عہد کر لیتے کہ اس سے جتنی دیر کے لیے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اٹھا لیا جائے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ - ۱۳۶-۱۳۷

'فانتقمنا منھم الایۃ' اس انتقام سے مراد ان جرائم کا انتقام ہے جن پر پورے پورے اتمام حجت کے باوجود وہ جمے رہے۔ اللہ کی آیات سے اول تو وہ بے پروا اور غافل رہے اور جب وہ کھلے ہوئے چیلنج کے ساتھ ان کے سامنے ظاہر ہوئیں تو انہوں نے ان کی تکذیب کر دی کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ سحر و شعبدہ کا کرشمہ ہیں۔ اس کی پاداش میں وہ سمندر میں غرق کر دیے گئے۔ اس واقعۂ غرق کی تفصیلات کے لیے موزوں مقام ہماری اس کتاب میں آگے آئیں گے۔

بنی اسرائیل کو ان کے صبر کا صلہ

'واورثنا القوم الذین الایۃ' 'یستضعفون' سے اشارہ ان مظالم و شدائد کی طرف ہے جو بنی اسرائیل کو دبائے رکھنے کے لیے فرعونیوں کے ہاتھوں ان پر ڈھائے گئے اور جن میں سے بعض چیزوں کی طرف اوپر اشارہ گزر چکا ہے۔ فرمایا کہ وہی قوم جو غلامی و محکومی کے نہایت سخت شکنجوں میں کسی ہوئی تھی اللہ نے اس کو رفعت بخشی اور اس کو سرزمین فلسطین کی حکومت عطا فرمائی۔ اس حکومت بخشنے کے لیے یہاں 'ایراث' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں یہ مضمون مضمر ہے کہ ان کے سابق حکمرانوں کو اللہ نے وہاں سے ہٹایا اور ان کو ان کی وراثت بخشی۔ اس سرزمین کی تعریف میں 'التی بارکنا فیھا' کے جو الفاظ وارد ہیں اول تو وہ یہ متعین کرتے ہیں کہ اس

سے مراد فلسطین ہی کی سرزمین ہے اس لیے کہ قرآن میں اس صفت کے ساتھ اسی سرزمین کا ذکر ہوا ہے۔ دوسرے یہ الفاظ اس سرزمین کی روحانی اور مادی دونوں قسم کی برکتوں کو ظاہر کر رہے ہیں اس لیے کہ عربی میں 'مبارک' کا لفظ ان دونوں ہی مفہوموں کا حامل ہے۔

'مشارق' اور 'مغارب' کے الفاظ سے اس حکومت کے وسیع الاطراف ہونے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ عربی میں بعض مرتبہ کسی لفظ کی جمع اس کے اطراف کی وسعت کے لحاظ سے بھی آتی ہے۔ پیچھے لفظ 'اعراف' پر بحث کرتے ہوئے ہم اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

'وتمت کلمة ربک الحسنی علی بنی اسرائیل' سے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آیات ۱۲۸-۱۲۹ میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے آباو اجداد سے کیا تھا اور جس کی تجدید بالآخر حضرت موسیٰؑ نے فرمائی وہ وعدہ بالآخر پورا ہوا۔

'بما صبروا' سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قوموں پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوتے ہیں وہ بہرحال اوصاف و کردار پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ مجرد خاندان و نسب کسی کو خدا کا چہیتا بنا دے۔

قوم فرعون کی تباہی

'ودمرنا ما کان یصنع فرعون' یعنی فرعون اور اس کی قوم کی تمام شاندار تعمیرات بھی ہم نے برباد کر دیں اور ان کے سرسبز و شاداب باغات بھی اجاڑ دیئے۔ یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ 'ما کان یصنع' اور 'ما کانوا یعرشون'۔ میرے نزدیک پہلے سے تعمیرات کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے باغات کی طرف۔ جس فرعون کا یہاں ذکر ہے اس کو تعمیرات کا خاص ذوق رہا ہے اور بنی اسرائیل زیادہ تر انہی تعمیرات کی خاطر دن رات بیگار میں جتے رہتے تھے۔ 'ما کانوا یعرشون' سے اصلاً تو انگور کے باغ مراد ہیں اس لیے کہ انہی کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسا کہ قرآن میں جنات معروشات، کی ترکیب موجود ہے لیکن بسا اوقات کسی چیز کی تعبیر اس کے جزو غالب سے کی جاتی ہے جو باعتبار لفظ تو خاص ہوتی ہے لیکن مراد اس سے عام ہوتی ہے۔ مصر کو، کم از کم اس دور میں انگور کی پیداوار میں امتیاز حاصل رہا ہے۔ سورہ یوسف کے بعض مقامات سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے۔

اس ٹکڑے سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ قوم فرعون پر تباہی آئی جس سے ان کے شہر اور باغ سب اجڑ گئے۔ انکے باغ تو، جیسا کہ اوپر گزرا، پہلے ہی اولوں اور ٹڈیوں سے تباہ ہو چکے تھے، معلوم ہوتا ہے کوئی زلزلہ بھی اسی دوران میں آیا جس سے انکی عمارتیں بھی منہدم ہو گئیں اور جو کچھ پچھلی آفتوں سے بچ رہا تھا وہ بھی برباد ہو گیا۔

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبر قرآن

جلد اوّل ——— مشتمل بر

مقدمہ و تفسیر آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۹×۲۲/۸ : صفحات، ۸۸۰

عمدہ و بیز سفید کاغذ ——— آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائیدار جلد کے ساتھ

ہدیہ تیس روپے ——— محصول ڈاک: ڈھائی روپے

(تیس روپے پچاس پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ۔ وسورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے

بڑا سائز، کاغذ سفید، صفحات ۳۶ : ہدیہ ۷۵ پیسے

(بذریعہ ڈاک طلب فرمانے کے لیے پچاسی پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں)

شائع کردہ: دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲

یادِ رفتگاں

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

تاریخ وفات: ۱۹ نومبر ۱۹۶۹ء

[ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کو ہم سے جدا ہوئے پورا ایک سال ہو گیا۔ اس دنیا کے دستور کے موافق بہت سے لوگ ڈاکٹر صاحب کو بھول بھی گئے ہوں گے ـــــ اور بہت سوں کو ان کی یاد اب کاہے کاہے ہی آتی ہوگی۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے کچھ رفقاء نے ان کے مشن کے لئے کام کئے چلے جانے کا عہد کر لیا ہے۔ چنانچہ ان کے جاری کردہ مجلے "ISLAMIC EDUCATION" کی اشاعت کو جاری رکھنے کا بھی نہ صرف یہ کہ فیصلہ ہو گیا ہے بلکہ ایک اطلاع کے مطابق اس کا شمارہ شائع بھی ہو چکا ہے اور آئندہ اس کا ایک شمارہ انگریزی میں شائع ہوگا اور دوسرا اردو میں" ـــــ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے رفقاء کو اس اہم خدمت کے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر ہم قارئین 'میثاق' کی خدمت میں دو تعزیتی شذرے پیش کر رہے ہیں، ایک مولانا عبدالماجد دریابادی نے 'صدق جدید' میں تحریر فرمایا تھا اور دوسرا راقم کے قلم سے ہے جو 'میثاق' بابت دسمبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا ـــــ اسرار احمد]

(۱)

اسلام کے ایک سپاہی کی موت ایک صدق نواز نے کراچی سے روزنامہ حریت (یکم دسمبر) کا تراشہ بھیج دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پاکستان کے ایک بہترین مسلمان مفکر و دانشور ڈاکٹر رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی، ڈی لٹ کراچی میں ۲۹ نومبر (۱۸ رمضان) کی دوپہر کو ایک رکشا کے حادثے میں دفعتہً اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون دین کی خدمت میں عمر گذار دی۔ وہ وقت کے ایک بلند ترین قلمی مجاہد تھے۔ صدق میں بارہا ان کی خدمات

کا ذکر آچکا ہے۔ مدتوں اقبال اکیڈمی (کراچی) کے ڈائرکٹر اور اقبال ریویو (اردو انگریزی سہ ماہی) کے ایڈیٹر رہے اور اب چند سال سے ریٹائر ہو کر لاہور میں مقیم تھے۔ کراچی اس وقت اپنے عزیزوں سے ملنے آئے تھے۔ یا یہ کہیے کہ موت کھینچ کر لائی تھی۔ لکھتے عام طور پر انگریزی میں تھے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی لکھتے تھے۔ فلسفہ نفسیات اور تعلیم یہ تین خاص موضوع تھے۔ مذہب کی چھاپ سب پر لگی ہوئی "آئیڈیالوجی آف لائف"[1] "فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن"[2] اور اردو میں "قرآن اور علوم جدیدہ"[3] وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ بنیادی عقائد میں راسخ، فروع و جزئیات میں رائے بڑی متوازن و معتدل حکیمانہ، مصلحانہ و مصالحانہ رکھتے تھے۔ نہ ایسے روشن خیال کہ تجدد تک جا پہنچیں اور نہ ایسے قدامت پسند کہ ترقی پسندوں کو کھٹ ملا کی پھبتی کسنے کا موقع ملے۔ عمر جو کچھ بھی رہی ہو، فکر ایمانی و قوت دینی کے لحاظ سے قلم و دماغ دونوں بھرپور جوان ہی تھے۔ سیاسی دنیا میں شاہ افغانستان نادر شاہ (۱۹۳۲ء) کی طرح علمی دنیا میں جدید و قدیم کے جامع تھے اور مشیت خداوندی نے عین اس وقت انہیں جنت نشین بنا دیا جب دنیا کو ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ رمضان اور پھر ۔ کا دوسرا عشرہ انہیں نہ ملتا تو اور کسے ملتا۔ بدنصیب اُمت اپنے نصیب پر صبر کرے اور اپنے بے شمار داغوں کی فہرست میں ایک تازہ داغ کا اور اضافہ کرلے۔ مرحوم ایک چھوٹے پیمانے پر ڈاکٹر اقبال تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اقبال سے فیض یاب خواص و عوام سبھی ہو سکتے تھے اور ان مرحوم کے فیض کا دائرہ صرف خواص تک محدود تھا۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی
مدیر "صدق" در "صدق جدید" بابت ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۹ء

(۲)

"اس دوران میں جو اندوہ ناک حادثہ پیش آیا اس سے قارئین 'میثاق' واقف ہی ہیں۔ جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب مرحوم و مغفور کی موت عام حالات میں بھی واقع ہوتی تو کم غم انگیز نہ ہوتی۔ لیکن اب

---

[1] ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا اصل نام "IDEOLOGY OF THE FUTURE" ہے اور اسی کتاب پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی۔ (مدیر)

[2] "FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION" جس پر ڈاکٹر صاحب کو D.LITT کی ڈگری ملی (مدیر)

[3] "قرآن اور علم جدید" اردو میں ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف "حکمت اقبال" ہے جو حال ہی میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے (مدیر)

جس صورت میں یہ حادثہ فاجعہ پیش آیا ہے اس نے تو واقعتہً سب کے دل ہلا کر رکھ دیئے ـــــ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ـــــ اور ان کے جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ! (آمین)

راقم نے آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ڈاکٹر صاحب کی تصنیف "قرآن اور علم جدید" پڑھی تھی اور اسی وقت سے ایک حسن ظن ان کی ذات کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ انہی دنوں جب ان کے ایک عزیز سے جو گورنمنٹ کالج لائلپور میں لائبریرین تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں بلکہ ذکر صبحگاہی کے لذت آشنا بھی ہیں تو ان کی ذات سے ایک باقاعدہ غائبانہ عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۲-۶۳ء میں کراچی میں ڈاکٹر صاحب سے ایک دو بار ملاقات بھی ہوئی ـــــ تاہم ان سے راقم کے براہ راست روابط کی عمر دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مناسبت طبع اور وحدت فکر کی وجہ سے اس مختصر مدت میں بھی نہایت قریبی تعلقات پیدا ہو گئے تھے جن کا ایک مظہر "میثاق" کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا مستقل تعاون تھا (اگرچہ اس پر ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعض احباب کی ناخوشی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا) ـــــ ذاتی طور پر بھی راقم پر ڈاکٹر صاحب کی شفقتیں اور عنایتیں روز افزوں تھیں۔ چنانچہ اس حادثہ فاجعہ پر بہت سے احباب نے بالکل بجا طور پر راقم کو تعزیت کا حقدار گردانا ـــــ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ڈاکٹر صاحب کی علمی حیثیت کے بارے میں راقم کا کچھ عرض کرنا اپنی حدود سے تجاوز ہے ـــــ پائدار علمی کاموں کی قدر بالعموم دیر ہی سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے یہاں تو زندگی میں قبول عام صرف صحافی قسم کے مصنفین کو حاصل ہوتا ہے۔ تاہم زمانہ بہترین منصف ہے اور بقاء و دوام صرف پائدار اور باوقار علمی تصانیف ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور انشاء اللہ زمانہ جلد ہی ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام و مرتبے کو پہچان لے گا ـــــ تاہم راقم کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی اصل قدر و قیمت اور وقعت و عظمت اس اعتبار سے تھی کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور محبت خداوندی ان کے پورے وجود میں سرایت کیے ہوئے تھی ـــــ اور خصوصاً اس اعتبار سے ان کے دل و دماغ میں ایسی کامل ہم آہنگی پائی جاتی تھی کہ یہ کہنا بہت مشکل تھا کہ ان کا دل زیادہ مسلمان ہے یا دماغ ـــــ !! اور یہی چیز ہے جو اس دور میں بالکل عنقا ہے اس لئے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی علم اور ایمان کے خزانے علحدہ علحدہ تو مل جاتے ہیں یکجا نظر نہیں آتے!

سچی خدا پرستی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی محبت سے ایک نہایت گہرا اور نمایاں اثر ہر مخاطب پر اس بات کا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اسلام کے تابناک مستقبل پر پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھتے تھے ـــــ اور اگرچہ پچھلے دنوں بعض ملکی حالات سے وہ بہت مضطرب رہے حتیٰ کہ وقتی طور پر دل برداشتہ سے بھی

رہے تاہم ان کے اس یقین میں ہرگز کوئی کمی نہیں ہوئی کہ مستقبل کی عالمگیر ریاست اسلام کی عطاکردہ سچی خدا پرستی کی بنیاد ہی پر قائم ہوگی۔

اور راقم کی رائے میں یہی ڈاکٹر صاحب کے پورے فکر کے وہ دو مرکزی خیال ہیں جن کے گرد ان کی تمام تصانیف کا تانا بانا قائم ہے ـــــ یعنی ایک یہ کہ انسان کا صحیح نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے محبت خداوندی اور دوسرے یہ کہ نوع انسانی جس سمت میں سفر کر رہی ہے اس کی بھی بس ایک ہی ممکن منزل ہے اور وہ ہے اسلام !!!

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف 'حکمت اقبال' کا 'انتساب' اس اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا پورا فکر سمو کر رکھ دیا ہے۔ یعنی :

"ان عاشقان جمال ذات کے نام جو مستقبل کی اس ناگزیر عالمی ریاست کا آغاز کریں گے جو اسلام کی اس حکیمانہ توجیہہ پر قائم ہوگی جس کا نام فلسفہ خودی ہے !"

راقم کے نزدیک "عاشق جمال ذات" کا جامہ اس دور کے معروف پڑھے لکھے لوگوں میں سب سے زیادہ جس پر راست آتا تھا وہ خود ان ہی کی ذات تھی اور ان کی وفات سے محبت خداوندی کی محفل کی ایک روشن شمع گل ہوگئی ـــــ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِی اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِی فِی عِبَادِی وَادْخُلِی جَنَّتِی ـــــ !!

ایک بات کا خیال البتہ آتا ہے کہ اتنی عظیم ہستی اور ایسی مرگ ناگہاں بلکہ کس مپرسی کی موت !!! ماتم کی جا ہے کہ ہمارے یہاں بلیک مارکیٹیے اور سمگلر لمبی لمبی کاروں میں پھرتے ہوں اور ایسے ایسے صاحب کمال لوگ اسی طرح رکشاؤں میں سفر کریں اور ہر طرح کے خطرات کی عین زد میں رہیں۔ بقول ذوق ؎

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے ـــــ اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

لیکن پھر خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا اپنے "عاشقوں" کے ساتھ کوئی خاص ہی معاملہ ہے اور ع

"شمع یہ سودائی دل سوزیٔ پروانہ ہے"

کے مصداق یہ شمع اب پروانوں کی دلسوزی ہی کی سودائی نہیں بلکہ ان کی کامل شکستگی کی طالب ہے ع

"کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں!"

اور "عاشقان جمال ذات" سے تو شاید "بخاک و خون غلطیدن" سے کم کسی بات پر معاملہ ہی نہیں ہوتا ؎

"بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را" !　(میثاق لاہور دسمبر ۱۹۶۹ء)

تقریظ و تنقید

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کی آخری تالیف

'حکمتِ اقبال'

از قلم : پروفیسر محمد منور

مرحوم ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کی آخری کتاب جسے اردو بازار لاہور کے علمی کتاب خانہ نے شائع کیا ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ستائیس سطروں کا ہے۔ کتابت باریک ہے مگر خوبصورت طباعت لائق تعریف، کاغذ اعلیٰ ـــــــ عام جلد کی قیمت بارہ روپے فی نسخہ ہے۔ سپرٹے کی جلد تیرہ روپے پچاس پیسے کی ہے۔ کتاب کی ضخامت اور مافیہ کے پیش نظر قیمت نہایت معقول ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب مزاجاً ـــــــ اور عملاً بھی ـــــــ شدید مذہبی آدمی تھے۔ اسلام کی حقانیت پر بھرپور یقین تھا اور اس امر پر ایک طرح سے ایمان محکم رکھتے تھے کہ ہر سائنسی اور علمی اور نظری ترقی کسی نہ کسی اعتبار سے اُسی نقطے کی طرف ایک قدم ہے جسے نقطۂ توحید کہتے ہیں۔ وہ اس بات کے بھی شدت سے قائل تھے کہ ہر سائنس کو آخر کار فلسفہ بننا ہے کیونکہ سائنسی ترقی تدریجاً وحدتِ کائنات کے تصور کی جانب بڑھ رہی ہے اور جیمز جینز اور ایڈنگٹن وغیرہما کے بقول سائنس اب اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ یہ اعتراف کرے کہ کائنات کی نہاد مادہ نہیں بلکہ شعور ہے ـــ اور بقول ڈاکٹر صاحب شعور کو آخر کار شعور "ذات" تک پہنچنا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے بارہا زبانی بھی اس امر پہ اظہار خیال کیا اور بذریعہ تحریر بھی وضاحت کی کہ سائنس غیر جانب دار نہیں ہوتی اس لئے کہ سائنس دان نظریے سے قطع نظر نہیں کر سکتا۔ پھر اگر وہ کسی نظریے کا مالک ہے ہی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے عمل اور نتائج کو اس نظریے سے متاثر نہ ہونے دے ـــــ یہی باعث کہ وہ عام مادہ پرست سائنس دانوں کے نظریات کو شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی فتوحات کو یزداں گریز قرار دیتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب آیت قرآنی " ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوت فارجع البصر

ھل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسأ وھو حسیر" سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کائنات ایک منظم و مربوط وحدت نہ ہوتی تو اس کے اصول و قواعد قابل اعتماد نہ ہوتے بلکہ سرے سے کسی شے کو اصول و قواعد کا نام ہی نہ دیا جا سکتا۔ ایسی صورت میں نہ سائنس کو کوئی بنیاد میسر آتی اور نہ فلسفے کو کوئی مقام ہاتھ آتا ——— لیکن ڈاکٹر صاحب شاکی ہیں کہ اکثر مغربی سائنس دانوں نے جس "لادینی" اور مادی فضا میں پرورش پائی تھی اور تا حال پرورش پا رہے ہیں وہ انہیں اپنے اکتشافات سے صحیح معنوں میں مستفید نہیں ہونے دیتی۔ مراد یہ کہ روحانی پہلو بہرحال دبا رہتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی رائے میں اس ——— کائنات کی کامل تعبیر کوئی ایسا فلسفہ ہی کر سکتا ہے جو حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی ہوگا۔ اس لئے کہ حضورؐ کا وجود مسعود ہی بہر نوع کامل تھا۔ کمال کائنات کا درس بھی وہیں سے ملتا ہے اور چونکہ علامہ اقبال کا فلسفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وحی اور آپ کی قائم کردہ شریعت کا ترجمان ہے۔ وہی فلسفہ اس فلسفے کی بنیاد ہے جو کائنات کا آخری فلسفہ ہوگا اور وہ ہے فلسفۂ خودی، جس کی رو سے تعمیرِ آدم وجود میں آئے گی اور آدم کی خود اعتمادی بحال ہوگی۔ اس کی خود اعتمادی ہی اسے خدا کا صحیح تصور عطا کرے گی۔ اس لئے کہ آدم کے وجود میں اللہ نے اپنی تجلی ودیعت کی ہے جو غفلت کے پردوں میں چھپی ہوتی ہے اس تجلی کا مسکن قلب ہے جو بقول حضرت مجدد الف ثانی عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اور مادی جسم جو پیوست ہے جس کا تعلق عالم خلق سے ہے جب قلبِ آدم نورِ تجلی سے روشن ہوگا تو وہ اپنا مقام بھی پہچان لے گا۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں ؎

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو ترا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

ڈاکٹر صاحب نے حضرت علامہ کے فلسفے کی روشنی میں اس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ علم کے لئے بر ابھی نظر کی ضرورت ہے ورنہ ذہنی اور روحانی ترقی ناممکن ہے۔ صحیح علم ہی غلط اطلاعات کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اور اسی کی بدولت آدمی توہمات کے بندھنوں سے نکل کر یقین کے مرغزاروں کی سیر کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

؎ وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہو جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم

حکمت اقبال کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علامہ کے فلسفے پر جس کا پنجوڑ "خودی" ہے یہ پہلی مربوط اور بھرپور کتاب ہے ورنہ "خودی" پر مضامین و مقالات تو لکھے جاتے رہے ہیں اسے پوری کتاب کا موضوع نہیں بنایا گیا تھا ——— پھر کتاب بھی اتنی بڑی کتاب ——— بڑے بڑے عنوانات پندرہ سولہ ہیں

مثلاً حکمت اقبال پر ایک عمومی نظر، خودی کی حقیقت، خودی اور تخلیق، خودی اور سائنس، خودی اور فلسفہ اخلاق، خودی اور رحمۃ للعلمین، خودی اور نشتر توحید، خودی اور سوشلزم، خودی اور علوم مروجہ وغیرہ سارے ابواب لائق توجہ ہیں۔ مگر کم از کم پہلا اور آخری باب کم فرصت احباب کو ضرور دیکھ لینا چاہیئے۔ ہر باب کے پھر آگے کئی کئی ذیلی عنوانات ہیں جن کی کل تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اس لئے کہ آدم کی خودی حیات و کائنات کے ہر شعبے سے وابستہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم سالہا سال معلم رہے تھے لہذا ان کی تقریروں میں معلمانہ تکرار کا در آنا ناگزیر تھا۔ بات کو سمجھانے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے دہرایا جائے اور پھیلایا جائے۔ چنانچہ بہت سے اشعار اور بہت سے دلائل بار بار سامنے آتے ہیں جو زیادہ ذہین لوگوں کے لئے شاید بار خاطر ہوں لیکن عام طالب علم کے لئے مفید ہوں تاکہ تکرار کے باعث برقرار رہیں ——— ماتکرر تقرر

پوری کتاب بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لکھی گئی ہے اور اس کے مطالعے سے جہاں حضرت علامہ کو سمجھنے میں بڑی ہی مدد ملتی ہے وہاں عشق رسولؐ کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے اور دین کے ساتھ لگاؤ میں اضافہ ہوتا ہے۔ فلسفے اور دین کا تال میل اکثر مسلمان فلاسفہ میں نظر آتا ہے مگر یہ امتزاج حضرت علامہ کے یہاں وارد ہو کر عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی امر کی ترجمانی ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے نظریات کرتے ہیں۔ فلسفہ محض یا خالص فلسفہ حضرت علامہ کے نزدیک کوئی شے نہیں اسے وہ "دل کی موت" قرار دیتے ہیں۔ یہی انداز نظر ڈاکٹر صاحب کا تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے زبانی بھی بتایا اور تحریر اً بھی اس امر پر روشنی ڈالی کہ ان کی پہلی کتابیں THE IDEOLOGY OF THE FUTURE جو ۱۹۴۲ء میں لکھی گئی تھی اور ۱۹۴۶ء میں چھپی تھی اور اسی طرح FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION جو آج سے دس بارہ برس قبل شائع ہوئی تھی ایک طرح سے حضرت علامہ کے فلسفۂ خودی کی وضاحت اور اسلامی تعلیمات کی تشریح کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے ان دو کتابوں میں اسلام اور اقبال کو کم سے کم داخل ہونے دیا انہوں نے فقط ان اصولوں کو لیا جو صداقت و حقیقت پر مبنی ہیں اور انہیں ذہنوں میں راسخ کیا تاکہ جب اسلام اور اقبال کی بات آئے تو ذہن اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ان کی تیسری کتاب "قرآن اور علوم جدید" بھی خاصے کی چیز ہے۔ ایک دور میں دینی حلقوں نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا مگر اس کی آخری تمنا یہ تھی کہ وہ حضرت علامہ کے فلسفۂ خودی کی بھرپور ترجمانی کریں تاکہ وہ استدلال کی مدد سے دین کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اس فلسفے کو راہ قریب (SHORT CUT) جانتے تھے۔ اللہ نے انہیں توفیق دی کہ

زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا اور یوں معلوم ہوتا ہے گویا اللہ نے ان کی دعا اور تمنا کے عین مطابق انہیں ڈھیل دے رکھی تھی کہ ادھر کتاب مکمل ہوئی اور ادھر ان کی مہلت حیات ختم ہو گئی ع قلم اینجا رسید و سر بشکست

ڈاکٹر صاحب کا قلم اور سر دونوں مضامین شکست بن گئے۔ اس وقت جب شاید انہیں ان دونوں کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ اب وہ محض دل کے ہوکے رہ گئے تھے لہذا دلوں میں زندہ رہیں گے ؎

رہے گی ہمدم اہلِ وفا نوا اپنی
رہیں گے سینۂ اہلِ وفا میں ہم باقی

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ
تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورۃ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم و مدّعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

تالیف

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

"۔۔۔۔ محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔۔۔۔"
(مولانا امین احسن اصلاحی)

"۔۔۔۔ اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گذری اسلامی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتابچہ ایک دستور العمل کا درجہ رکھتا ہے۔۔"
(ڈاکٹر سید عبد اللہ سابق پرنسپل یونیورسٹی اورنیٹل کالج لاہور)

قسم اعلیٰ : ڈیڑھ روپیہ : قسم ادنیٰ ایک روپیہ : محصول ڈاک اس کے علاوہ۔

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

مقالات

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

ہندوؤں کی قومی تعمیرِ نو

کے بعض اہم پہلو

مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی دوسروں کے لئے اپنے زندگی بھر کے مطالعے کے نچوڑ اور اپنے لئے توشۂ آخرت کے طور پر قرآن حکیم کی رو سے "طریق علاج" کے موضوع پہ ایک تصنیف کا ارادہ رکھتے ہیں جس کے لئے ایک خاکہ (SYNOPSIS) بھی مرتب کر چکے ہیں۔ اس خاکے میں بعض مقامات پہ قلم جو روانی سے چلا تو مستقل مقالوں کی شکل بن گئی ایک ایسا ہی مقام درج ذیل ہے جس میں ہند و پاک کے مسلمانوں کے لئے عبرت کا سامان اور ان بنیادی کوتاہیوں کی نشاندہی ہے جو ہماری قومی تعمیرِ نو کے کام میں رہ گئی ہیں اور جن کا خمیازہ اب ہمیں من حیث القوم بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ——— مدیر

انقلاب ۱۸۵۷ء میں کامیابی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہوں نے اس انتقام کے لئے تین طریقے اختیار کئے۔

(۱) ان کی جائدادیں ہندوؤں کو عطا کر دیں۔

(۲) ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے۔

(۳) ان کے علما کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا اور جب تک یہ یقین نہیں ہو گیا کہ اب کوئی مولوی ہمارے خلاف جہاد کی تلقین نہیں کرتا اس وقت تک دار و گیر کا سلسلہ بند نہیں کیا۔

ہندوؤں کو طبقی اور معاشی اعتبار سے مسلمانوں پہ تفوق عطا کرنے کے علاوہ انگریزوں نے ان میں ایسا شعور بھی پیدا کیا تاکہ وہ مسلمانوں پہ اپنی برتری کا سکہ جما سکیں۔

۱۸۸۴ء میں ایک انگریز نے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔ ہندوؤں کی خوش قسمتی تھی کہ ان میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے ان کے دل میں انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا جذبہ پ

کر دیا۔ یہ شخص دیانند تھا جس نے ۱۸۶۳ء سے ۱۸۸۳ء تک ہندوؤں کے دل میں قومیت اور وطنیت کے جذبات کی آبیاری کی اور انہیں بتایا کہ انگریز کو تمہارے وطن پر حکومت کا کوئی ادھیکار (حق) نہیں ہے اب چونکہ تم صدیوں سے غلام ہو اس لئے سب سے پہلے اپنی سیرت ویدوں کے سانچے میں ڈھالو یعنی تم ہندو کے بجائے آریہ بن جاؤ۔

ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور سارے ملک میں اصلاح و تزکیہ نفس یا روحانی تربیت کے مرکز قائم کر دیئے۔ اس کے علاوہ ان کی ذہنی تربیت کا انتظام بھی کیا۔

(ا) تزکیہ نفس یا روحانی تربیت کے لئے "آشرم" (خانقاہ) قائم کئے۔

(ب) عقل بیداری یا ذہنی تربیت کے لئے "گروکل" (درس گاہ) قائم کئے۔

میں اس جگہ ہندوؤں کی بیداری کی تاریخ درج نہیں کر سکتا اس لئے اختصاراً یہ لکھتا ہوں کہ حکومت حاصل کرنے کی جدوجہد سے بہت پہلے ہندوؤں نے اپنی قوم کی روحانی اور ذہنی تربیت کا انتظام کیا۔ مثلاً ذہنی تربیت کے لئے لالہ ہنس راج نے لاہور میں ڈی اے وی کالج قائم کیا اور ۲۵ سال تک پرنسپل رہا ساری عمر ۷۵ روپے ماہوار میں اپنی گذر کی۔ اس کی زندگی گیان اور تیاگ کے امتزاج کا قابل قدر نمونہ تھی۔ اس کے ڈرائنگ روم میں صرف دو چٹائیاں تھیں اور ایک چوکی تھی جس پر کاغذات رکھتا تھا۔ ایک پر خود بیٹھتا تھا دوسری ملاقاتیوں کے لئے تھی۔ اس کی قوم اسے مہاتما کے لقب سے یاد کرتی تھی اور بلاشبہ یہ لقب اس پر زیب دیتا تھا۔

روحانی تربیت کے لئے ہندوؤں نے سارے ملک میں آشرم قائم کیئے جن کو اردو میں خانقاہ کہتے ہیں۔ لا آشرم سری آرو بندو گھوش نے ۱۹۰۶ء میں قائم کیا۔ اس کے بعد سری RN ٹیگور نے شانتی نکیتن قائم کیا جس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر شخص اپنا بیت الخلاء خود صاف کرتا ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

غور کیجئے نفس امارہ کو پامال کرنے کا کتنا مجرب نسخہ ہے! پھر مسٹر گاندھی نے کئی آشرم قائم کیئے سابرمتی آشرم۔ ہندوؤں نے روحانی اور ذہنی تربیت کے علاوہ سیاسی تربیت کے مرکز بھی قائم کیئے موضع کانگڑی ضلع بجنور میں منشی رام[1] نے گوروکل قائم کیا جس میں دس سال کی عمر کے لڑکے داخل کئے جاتے تھے اور ۱۴ سال تک نہ وہ اپنے گھر جا سکتے تھے نہ بلا اجازت کسی سے مل سکتے تھے۔

---

[1] یہ وہی منشی رام جالندھری تھا جو بعد میں "شردھانند" کے نام سے مشہور ہوا۔

یوں تو ہندوؤں نے روحانی تربیت اور اصلاح نفس کے لئے ملک کے طول و عرض میں آشرم قائم کئے لیکن گھوش کے آشرم کی سی شہرت اور عظمت کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ یورپ اور امریکہ کے نامور فلسفی اور دانش ور افراد اس آشرم میں آکر مقیم ہوئے اور انہوں نے گھوش کی علمیت اور روحانیت سے استفادہ کیا۔ یہ موقع اس کی لائف لکھنے کا تو نہیں ہے لیکن دو باتیں ضرور درج کرنی چاہتا ہوں۔

(ا) وہ سنسکرت کے علاوہ انگریزی اور فرانسوی زبانوں کا بھی ماہر تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں "لائف ڈیوائن" لازوال بھی ہے اور اس کا شاہکار بھی ہے۔ مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے شیخ اکبر کی "فتوحات مکیہ" سے مشابہ ہے۔ یوں بھی گھوش چونکہ عقیدۂ وحدتِ وجود کا قائل تھا اس لئے اس کے اور شیخ اکبر کے افکار میں مماثلت لازمی ہے۔

(ب) وہ ہندو سیاست دانوں میں پہلا شخص ہے جس نے

(۱) سیاست کو مذہب پر مبنی کیا۔

(۲) جس نے اپنی قوم کو یہ بتایا کہ جو شخص اپنے نفس کو مغلوب نہیں کر سکتا وہ قوم کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔

(۳) جس نے اپنی ساری باقی ماندہ (از ۱۹۱۰ء تا ۱۹۵۰ء) پانڈا چیری میں اپنے قائم کردہ آشرم (خلوت کدہ یا خانقاہ یا غار حرا) میں اپنی قوم کے نوجوانوں کی ذہنی اور روحانی تربیت میں کردی وہ چالیس سال تک خانقاہ سے باہر نہیں نکلا۔

گھوش کا تذکرہ محض اس لئے کیا ہے کہ اس دور کے مغرب گزیدہ اور مذہب فروشوں دام میں گرفتار شدہ سیاسی بازی گروں کے گمراہ کردہ اور ساحران الموط کے مدہوش کردہ مسلمان یہ معلوم ہو سکے کہ حصول اقتدار کی کوشش سے پہلے تزکیۂ نفس اس قدر ضروری ہے کہ غیر مسلم بھی کے معترف ہیں۔ گھوش کے نقش قدم پر چلنے والوں میں لالہ لاجپت رائے، پال گنگا، دھر تلک گوپال اچاریہ، مرک گاندھی، بھائی پرمانند، لالہ منشی رام عرف شردھانند، مدن موہن مالویہ، بھگوان داس، ونوبا بھاوے، اچاریہ کرپلانی، اچاریہ نریندر دیو، جیکار، کیلکار، ساورکر، دلیپ گپتا، شیام پرشاد مکرجی ...... یہ سب ارباب سیاست پہلے نہایت متقشف اور متعصب ہند بلند پایہ عالم تھے، پھر ہندی تھے پھر سیاست دان تھے۔ ان کی سیاست ان کے سناتن ہندو دھر تھی اور اس میں کامیابی کے لئے "آتمک شکتی" شرط تھی جو صرف خلوت اور تزکیہ نفس سے پی ہے۔ یہ شکتی ہے تو سب میں مگر جب تک اسے بیدار نہ کیا جائے، سوتی رہتی ہے اور میرا

مشاہدہ تجربہ ہے کہ مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت ۹۹۹۹ فی لاکھ اس کشمکش (قوت) سے لاعلمی اور بیگانگی کی حالت میں ہی اس دارِ ناپائیدار سے رخصت ہو جاتی ہے۔

تاریخ اسلام کے دورِ فتن

کے بارے میں ایک انتہائی یک رخا نقطۂ نظر وہ ہے

★ - جسے ایک خاص گروہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ایک ہزار برس کی مسلسل اور پیہم کوشش سے زبان زد خاص و عام کر دیا ہے ———— اور

★ جسے حال ہی میں مودودی صاحب کی تالیف "خلافت و ملوکیت" سے نمایاں تقویت حاصل ہوئی ہے

———— خدا کا شکر ہے کہ ————

لکلّ داءٍ دواءٌ

کے مصداق اس دور میں اس زہر کا تریاق بھی مہیا ہو رہا ہے : چنانچہ

علّامہ محمود احمد عبّاسی

نے اپنی متعدد تصانیف کے ذریعے 'تصویر کا دوسرا رخ' بھی پیش کر دیا ہے جن میں سے اصل بنیادی تالیف پر تو "کہ سنگ و خشت مقید ہیں ...." کے مصداق پابندی ہے تاہم ان کی درج ذیل تصانیف کے مطالعے سے تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جا سکتا ہے:

(۱) تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزید

بڑے سائز کے ۱۴۸ صفحات، مجلّد : قیمت -/۸

(۲) حقیقت خلافت و ملوکیت

بڑا سائز - ۵۶۲ صفحات : قیمت: سفید کاغذ -/۱۱ : نیوز پرنٹ ۶/۱۲

(۳) وقائع زندگانی اُمِّ ہانی رضؓ : قیمت : -/۳

پتہ: دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

تاریخِ اسلام کے دورِ فتن کی واقعات نگاری

کے بارے میں ایک بنیادی حقیقت

ذیل کی تحریر دراصل ایک کتاب کی تقریظ کے طور پر لکھی گئی تھی لیکن چونکہ یہ اپنی جگہ ایک مکمل مقالہ ہے جو اسلامی تاریخ کے بارے میں ایک نہایت اہم اور بنیادی حقیقت سے بحث کرتا ہے لہٰذا کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی ہدیہ ناظرینِ 'میثاق' ہے' — مدیر

اربابِ علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بنی عباس نے بیروانِ ابنِ سبا لعین کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے انہیں یہ باور کرایا کہ ہم بنی امیہ کے بجائے اولادِ علی کو حکمران بنانا چاہتے ہیں اس دام میں تمام سبائی گرفتار ہوگئے اور ۱۳۲ھ میں بنی عباس نے اپنے بھائیوں کی ہڈیوں پر اپنی حکومت کا عالیشان محل تعمیر کرلیا اور سبائیوں کو اپنی حماقت کی سزا مل گئی۔

چونکہ بنی عباس نے سبائیوں کو اپنا معاون بنانے کے لئے بنی امیہ کو ہر اعتبار سے مطعون کیا تھا اور بلا مبالغہ ساری دنیا کی برائیاں ان سے منسوب کردی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ آلِ ابی طالب کی منقبت میں زمین اور آسمان دونوں کے قلابے ملا دیتے تھے۔ مثالبِ بنی امیہ اور مناقبِ آلِ علی سبائیوں کا عملی تعاون حاصل کرنے کے دو حتمی ذریعے سے — اس لئے جب یہ حضرات — بنی عباس — برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے

(۱) ان تمام کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا جن میں بنی امیہ کے مناقب و محاسن درج تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عہدِ بنو امیہ کی کوئی تاریخ صفحۂ ہستی پر موجود نہیں ہے۔ قدیم ترین مورخ دینوری شیعہ ہے جس کی وفات ۲۸۶ھ میں ہوئی اس کے بعد طبری ''مائل بہ تشیع''[۱] ہے جو ۳۱۰ھ میں فوت ہوا۔

---

[۱] یہ الفاظ مولانا شبلی نعمانی کے ہیں اس نام کے دو مصنف گذرے ہیں (۱) محمد ابن جریر بن یزید طبری شافعی جو بقول شبلی مائل بہ تشیع تھے (ب) محمد ابن جریر بن رستم طبری امامی جو بقول شوستری امامی

صفحہ ۷۹

سوال یہ ہے کہ کیا ۶۰ھ سے ۱۳۲ھ تک حکومت بنو امیہ کے عہد میں ایک سیرت نگار یا مؤرخ بھی پیدا نہیں ہوا؟ کیا بنو امیہ نے کسی شخص کو اپنی حکومت کے وقائع لکھنے پر مامور نہیں کیا؟ جواب یہ ہے کہ ضرور کئی مورخ اور وقائع نگار پیدا ہوتے ہوں گے۔ مگر جب اقتدار بنو امیہ کے جانی دشمنوں کے ذریعے سے ان کے جانی دشمنوں کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے ان تمام کتابوں کو ملیامیٹ کر دیا جن میں بنو امیہ کے کارنامے اور محاسن درج تھے تاکہ بنی عباس انہیں اشرالناس اور بدترین خلائق مشہور کر سکیں اور تمام دنیا کی برائیاں اُن سے منسوب کر سکیں انہیں مسلمانوں کی نگاہ میں اس درجہ مذموم بنا دیں کہ وہ بنی عباس کو اپنا محسن اور اسلام کا خادم قرار دے سکیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بنی عباس برائیوں میں بنو امیہ سے بدرجہا آگے بڑھ گئے ——— اس کارخیر سے فارغ ہو کر انہوں نے یہ حکم جاری کیا کہ کوئی مورخ بنو امیہ کے حق میں کلمہ خیر زبان پر نہ لائے۔ اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں! سبائیوں نے اپنی تصانیف نظم و نثر میں ہر برائی ان سے منسوب کر دی اور ایسے ایسے جھوٹے افسانے اپنے شر خیز دماغ سے اختراع کئے کہ ان کا مرشد اعظم بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض سنی علمانے بھی امیر یزید رح کو اپنی سبائیوں کی تقلید کورانہ میں بلا تامل "یزید پلید" لکھنا شروع کر دیا۔ یہ ہے پروپاگنڈے کی ساحری!

چنانچہ آج اردو زبان میں اس شخص کا نام جو بفحوائے ارشاد نبوی مسلمانوں کی مغفور[1] جماعت میں شامل ہے بدترین قسم کی دشنام بن کر رہ گیا ہے۔ یورپ کے مستشرقین چونکہ سبائیت کے طلسم میں گرفتار نہیں ہو سکے اس لئے انہوں نے اپنی تصانیف میں بنو امیہ خصوصاً حضرات معاویہ رض و عمرو ابن العاص رض و امیر یزید رح کے ساتھ کسی حد تک انصاف کیا ہے اور ان اسباب کی نشاندہی بھی کی ہے جن کی وجہ سے ان حضرات کو ہدف طعن و تشنیع بنایا گیا ہے۔ مثلاً سر ولیم میور اپنی مشہور تالیف "لائف آف محمدؐ" کے دیباچے میں لکھتا ہے "جب حضرت علی کے خاندان کے حامیوں کو میدان جنگ میں شکست ہو گئی اور وہ بنو امیہ کو اقتدار سے محروم کرنے کی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے دوسرے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ جماعتیں بنائیں اور اپنے مبلغین کو حکومت کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیجا تاکہ وہ

---

[1] بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اس کا ہر فرد مغفور ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ پہلے لشکر کے امیر حضرت یزید بن معاویہ رض تھے اور حضرت حسین ابن علی رض بھی اس لشکر میں بطور مجاہد شامل تھے اور تمام لشکر نے کئی ماہ تک غازیوں میں امیر یزید کی اقتدا بھی کی تھی۔

بنو امیہ کو ملحد اور بے دین کہہ کر بدنام کریں۔ کچھ عرصے کے بعد ایک اور جماعت ان لوگوں کی شریک ہو گئی جو آل عباس کو برسر اقتدار لانا چاہتی تھی .... ان سازشی گروہوں نے جھوٹی روایات کو حدیث نبوی کے نام سے دنیائے اسلام میں شائع کیا۔ ان روایات کے ذریعے سے انہوں نے بنو امیہ کو بدنام کرنا شروع کیا۔ آیات قرآنی کی حسب منشا تاویل کی گئی۔ جب ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا تو جھوٹی روایات کو سلطنت کی حمایت حاصل ہو گئی۔ بنو امیہ کے افراد کو چن چن کر قتل کیا گیا اور ان کے ناموں کو طامت کا نشانہ بنایا گیا۔

ابن اسحٰق نے اپنی شہرہ آفاق کتاب سیرت محمدؐ پہلے دو عباسی سلاطین کے عہد میں مرتب کی تھی۔ لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اگر اس نے اپنی تالیف میں اپنے مربیوں کے خیالات کا اتباع کیا یعنی ان سلاطین کے اسلاف کی مدح و ثنا کی اور بنو امیہ کی مذمت کی جنہوں نے صدرِ اسلام میں اسلام کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں ... مامون نے شیعان علی کے ساتھ موالات اختیار کی اور معتزلہ کے عجیب و غریب عقائد اختیار کر لئے۔ لیکن یہ خلیفہ بھی اپنے اسلاف سے بھی کچھ کم متعصب نہیں تھا۔ اس نے حضرت علی کو اشرف الناس اور حضرت معاویہ کو ارذل الناس قرار دیا اور ان لوگوں کو جو اس عقیدے میں اس سے اختلاف کی جرأت کرتے تھے، مردود اور مستوجب عقوبت گردانا۔ اسی مامون کے زمانے میں واقدی۔ ابن ہشام اور مدائنی نے اپنی تصانیف شائع کیں۔ ہم بجا طور پر افسوس کر سکتے ہیں کہ اس دور میں تاریخی صداقت کو بہت نقصان پہنچا۔ چنانچہ وائل (WEIL) لکھتا ہے " یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ عربوں کی تین قدیم ترین تاریخ کی کتابیں جو اسلام کے ابتدائی زمانے کا واحد ماخذ ہیں مامون جیسے شخص کے عہدِ حکومت میں لکھی گئیں۔ ایسے زمانے میں جبکہ حضرت معاویہؓ کے حق میں ہر لفظ اس کے بولنے والے کو مستحق دار بنا دینے کے لئے کافی تھا اور جبکہ ہر وہ شخص حکومت کی نظر میں باغی قرار دیا جاتا تھا جو حضرت علی کو افضل الناس تسلیم نہ کرتا ہو۔ ایسے دور پُر آشوب میں ہرگز ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص غیر جانب دار ہو کر حضرت محمدؐ کے صحابہ اور آپؐ کے جانشینوں کی تاریخ مرتب کر سکے۔" (ملخص از دیباچہ مذکورہ صد ۳۴ تا ۳۶)

مجھے افسوس ہے کہ اس وقت یورپ کے ان مستشرقین کی وہ کتابیں جو میری نظر سے گذر چکی ہیں، مثلاً نولدیکی، گولڈ تسہر، مارگولیتھ، فان کریمر، ہنری لامینز، ویل ہازن، ڈی گوجی وغیرہ میرے پاس نہیں ہیں ورنہ میں ان سب کے اقتباسات بھی اپنی تائید میں پیش کر سکتا تھا۔ سر دست ہٹی اور سائیکلوپیڈیا آف اسلام سے دو حوالے ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) ہٹی اپنی تالیف تاریخ شام صد ۴۴۴ میں لکھتا ہے "اگرچہ حضرت معاویہؓ نے عربوں اور اسلام کی بے نظیر خدمات انجام دیں مگر مسلمان مورخین نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس کی وجہ بآسانی سمجھ

یہیں ہوسکتی ہے یعنی اکثر مورخین یا تو شیعہ تھے یا عراقی ایرانی مدارس فکر کے ارکان تھے۔

(۲) مصنف مذکور اپنی تالیف تاریخ اہل عرب صہ۲۰۱ میں لکھتا ہے "یزید نے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے اپنی شجاعت اور جوانمردی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ اس کے ہمعصروں نے اسے "فتی العرب" (عربوں کا ہیرو) کا خطاب دیا" نیز صہ۲۲۷ پر لکھتا ہے:

"اموی خلفاء کی زندگی کی داستانیں زیادہ تر کتاب الاغانی سے ہم تک پہنچی ہیں جو ایک ادبی کتاب ہے اور اس کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔"

(۳) ہنری لامینز سائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد چہارم صہ۱۱۶۲ پر لکھتا ہے "یزید ایسا تفریح پسند حکمران نہیں تھا جیسا کہ ان مورخوں نے بیان کیا ہے جو شیعہ کے جذبات نفرت سے متاثر ہو گئے ہیں .... اس نے عیسائیوں پر ٹیکس میں کمی کر دی۔ زراعت کو ترقی دی، محکمہ آب پاشی کی تکمیل کی۔ وہ خلفاء میں واحد شخص ہے جسے "مہندس" کا لقب حاصل ہوا۔ وہ نہایت مہربان تھا اس میں تکبر بالکل نہیں تھا۔ اس کے سارے ماتحت اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ شاہانہ طمطراق سے متنفر تھا۔ وہ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ چنانچہ وہل ہاؤزن لکھتا ہے کہ کسی خلیفہ کو ایسی مدح نصیب نہیں ہوئی۔"

مجھے یقین ہے کہ لامینز نے جو کچھ امیر یزیدؒ کے بارے میں لکھا ہے اس زمانے میں بہت کم لوگ اس پر یقین لاسکیں گے کیونکہ ایک جماعت تیرہ سو سال سے ان کے خلاف مسلسل پروپاگنڈا کر رہی ہے لیکن طبری مسعودی، فخری، دینوری وغیرہ تمام شیعہ مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ جب کربلا کے قیدی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے سب کے ساتھ بہترین برتاؤ کیا اور انہیں اپنے محل میں ٹھہرایا۔ علی بن حسین المعروف بزین العابدین کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اپنے حسن اخلاق کا ایسا نقش ان کے دل پر ثبت کر دیا کہ مدت العمر انہوں نے بنو امیہ کے خلاف کسی سازش میں حصہ نہیں لیا۔ اگر وہ ایسے ہی ظالم ہوتے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تو وہ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے ان سب کو بلا تامل تہ تیغ کرا دیتے۔ اگر وہ ایسا کر ڈالتے تو ان کو نہ کوئی روکنے والا تھا اور اس فعل پر ان کے مخالفین دشنام طرازی میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس مہربانی کے باوجود لغت میں کوئی برا لفظ باقی نہیں رہا ہے جو ان کے لئے مستعمل نہ ہو چکا ہو۔ جب اہل سنت خود ہی اس شخص کو پلید کہتے ہیں جیسے جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا۔ لسان نبوت نے مغفرت کا مژدہ سنایا ہے تو گلہ بے سود ہے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

تاریخ تصوف اسلامی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

خلاصہ مطالب کتاب اللمع (۲)

کتاب السماع

باب ۹۵ : حسن صوت و سماع اور تفاوت مستمعین (سننے والوں کا اختلاف باہمی)

باب ۹۶ : فی السماع و اختلاف اقاویلھم فی معناہ

باب ۹۷ : عوام کے سماع کے بیان میں اور ان کے لئے اس کا مباح ہونا جبکہ وہ اچھی آواز میں ترغیب اور ترہیب کا ذکر سنیں اور اس سے ان کے دلوں میں طلب آخرت کا جذبہ پیدا ہو۔

باب ۹۸ : خواص کے سماع اور سماع عوام پر اس کی فضیلت کے بیان میں۔

باب ۹۹ : مستمعین (سننے والوں) کے مختلف طبقات کے بیان میں۔

باب ۱۰۰ : قصائد اور غزلیات سننے والوں کے بیان میں۔

باب ۱۰۱ : مریدوں اور مبتدی لوگوں کے سماع کے بیان میں۔

باب ۱۰۲ : صوفی مشائخ کے سماع کے بیان میں۔

باب ۱۰۳ : کاملین کے سماع کی خصوصیات کے بیان میں، اس ضمن میں مصنف نے لکھا ہے کہ جب سالک مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے حواس خمسہ ظاہری بھی اس قدر مزکیٰ اور مصفیٰ ہو جاتے ہیں کہ "مزامیر اور موسیقی سے لذت اندوز نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت استاد دینوری کا قول ہے "ساری دنیا کے مزامیر و آلات موسیقی بھی مجھے یاد خدا اور ذکر خدا سے غافل نہیں کر سکتے۔"

باب ۱۰۴ : ذکر الٰہی، مواعظ حسنہ اور اقوال حکیمانہ سننے کے بیان میں۔

باب ۱۰۵ : سماع پر مزید تبصرہ۔

باب ۱۰۶ : ان لوگوں کے بیان میں جو سماع کو ناپسند کرتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ بعض بڑے

ائمہ شرع نے سماع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مبتدیوں کے لئے سماع بہت خطرناک ہے اسی لئے ابوعلی رودباری اور سری السقطی نے سماع کی مضرتوں سے اپنے مریدوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ عوام کے حق میں سماع عموماً نقصان دہ ہوتا ہے۔

کتاب الوجد

باب ۱۰۷ : وجد کی ماہیت کے بارے میں مشائخ کا اختلاف۔ سہل ابن عبداللہ کا قول کہ جس وجد کی تصدیق قرآن یا حدیث سے نہ ہو سکے وہ بیکار ہے۔

باب ۱۰۸ : ارباب وجد کی صفات (خصوصیات) کے بیان میں وجد کی دو قسمیں (۱) وجد یعنی اصلی کیفیت (۲) تواجد یعنی تصنع آمیز وجد۔ واجدوں اور متواجدوں کی تین تین قسمیں ہیں۔

باب ۱۰۹ : مشائخ صادقین کے تواجد (بناوٹی کیفیت) کے بیان میں۔

باب ۱۱۰ : وجد کی زبردست طاقت اور قوت اور ہیجان اور غلبے کے بیان میں۔

باب ۱۱۱ : اس مسئلے میں کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ کامل ہے۔ وہ جو بحالت وجد ساکن اور خاموش رہتا ہے یا وہ جو متحرک اور مضطرب رہتا ہے ؟

باب ۱۱۲ : ابوسعید ابن العربی کی تصنیف "کتاب الوجد" کا خلاصہ۔ ان مختلف جذبات اور روحانی احوال کا بیان جن سے وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وجد کی تعریف اور تشریح۔ یہ مخصوص حالت سالک پر ایک آن یا لمحے کے لئے طاری ہوتی ہے اور دوسرے لمحے میں زائل ہو جاتی ہے، اس حالتِ وجد کا سریع الزوال ہونا اللہ کی حکمت ہے اور سالکوں پر اس کا خاص فضل وکرم ہے کیونکہ اگر اس حالت کو استقلال ہو جاتے تو سالک اپنے حواس سے بیگانہ یا محروم ہو جائے۔ اس حالت کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت سالک، اربابِ تشکیک کے اعتراضات کا جواب دے سکتا ہے یعنی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے خدا کی ہستی میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ مجھے اس کی ہستی کا وجدان ہو چکا ہے۔

کتاب اثبات الآیات والکرامات

باب ۱۱۳ : آیات الٰہی کے مفہوم کے بیان میں اور کرامات اولیاء کے بیان میں۔ بعض صاحبِ کرامات اولیاء کا تذکرہ۔

باب ۱۱۴ : منکرین کرامات اولیاء کے بعض دلائل کا بیان اور ان کا ابطال۔ اولیاء کی کرامات اور انبیاء کے معجزات میں وجوہِ امتیاز

باب ۱۱۵ : کرامات اولیاء کی صداقت و حقانیت پر شہادت۔ ان احادیث کا بیان جن سے بعض صحابہ رضی

مثلاً حضرات فاروق اعظمؓ، علیؓ، ابوالدرداءؓ، عبداللہ ابن عمرؓ کی کرامات کا اثبات ہوتا ہے۔

باب ۱۱۶ : صاحبانِ کرامت کے مقامات کا تذکرہ نیز اُن صوفیہ کا تذکرہ جو کرامتوں کے اظہار کو اس لئے پسند نہیں کرتے تھے کہ مبادا اظہورِ کرامت ان کے حق میں فتنہ بن جائے۔

باب ۱۱۷ : ان اولیا کا بیان جنہوں نے محاسنِ ذاتی اور فضلِ الٰہی کی بدولت یہ مقام حاصل کیا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرامتوں کا اظہار کیا۔

باب ۱۱۸ : اولیاء کے اُن مخصوص احوال کا بیان جن پر کرامات کا اطلاق نہیں کیا گیا اگرچہ وہ (احوال) کرامات سے بھی برتر ہیں مثلاً حارث محاسبیؒ کوئی مشتبہ نوالہ نہیں نگل سکتے تھے۔

کتاب البیان عن المشکلات

باب ۱۱۹ : صوفیہ کے کلام میں جو مشکل الفاظ مصطلحاتِ فن مستعمل ہیں ان کی تشریح فہرست مصطلحاتِ صوفیہ مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، وارد، خاطر، واقع، قادح، عارض، قبض، بسط، غیبت، حضور، صحو، سکر، فنا، بقاء، مرید، مراد، وجد، تواجد، دہشت، حیرت، کشف، مشاہدہ، لوائح، لوامع، حق، حقوق، تحقیق، تحقق، حقیقت اور حقائق وغیرہا۔

باب ۱۲۰ : شرح مصطلحات مذکورہ بالا۔

کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع وباطنہا صحیح "مستقیم"

باب ۱۲۱ : لفظ شطحیات کا معنی اور مفہوم۔ شطح کو اُس پانی سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو نہر کے کناروں سے باہر نکل جائے۔ وجد کی حالت میں صوفی اپنے مشاہدے کو جن مغلق اور مبہم لفظوں میں بیان کرتا ہے انہیں شطح اور شطحیات کہتے ہیں چونکہ الفاظ مشاہدات کو صحیح طور سے واضح نہیں کر سکتے اس لئے عوام ان الفاظ سے بعض اوقات وہ معانی مستنبط کر لیتے ہیں جو نہ تو سالک کے مشاہدے کی صحیح تعبیر ہوتے ہیں اور نہ ظاہر شرع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس کوچے (وجد و حال) سے ناآشنا ہو اُسے شطحیات کا مفہوم کسی ماہر فن (صاحب وجد و حال) سے دریافت کرنا چاہیئے۔

باب ۱۲۲ : مختلف علوم اور اُن مشکلات کا بیان جو علوم صوفیہ کو سمجھنے کے سلسلے میں علماء کو پیش آتی ہیں اور صحتِ علوم صوفیہ پر دلائل عقلیہ۔

علم محدود بالعقل اور منحصر علی الفہم نہیں ہے۔ حصول علم صرف عقل پر موقوف نہیں ہے اس کے حصول کا ایک ذریعہ اور بھی ہے[1] ثبوت درکار ہو تو موسیٰؑ اور خضرؑ کے واقعے پر غور کرو جو سورہ کہف میں مفصل مرقوم ہے (۶۴-۱۸)

---

[1] ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے (اقبال)

نیز اس حدیث کے مفہوم میں تدبر کرو کہ حضور صلعم نے فرمایا "اگر تم (صحابہ رضا) لوگ بھی وہ چیزیں دیکھ سکتے جو میں دیکھتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ" معلوم ہوا کہ اس علم ظاہری کے علاوہ اور اس بالاتر بھی ایک علم ہے آنحضرت صلعم کو تین اقسام کے علوم حاصل تھے۔ اس لئے عقل پہ علم کا انحصار رکھنے والوں کو صوفیہ کے علوم و مکاشفات پہ زبانِ طعن دراز کرنی روا نہیں ہے۔ علوم شرعیہ کی چار قسمیں ہیں (۱) تفسیر قرآن (۲) حدیث نبویؐ (۳) فقہ اور تصوف اور یہ چوتھی قسم سب سے ارفع اور اعلیٰ اور اہم اور اتم ہے۔

باب ۱۲۳: شطحیات بایزید بسطامیؒ اور ان کی شرح از جنید بغدادیؒ۔ واضح ہو کہ جب سالک کو مقامِ قرب (ایزدی) حاصل ہو جاتا ہے تو ہر خیال جو اس کے دل میں آتا ہے سالک کو پیغام ایزدی محسوس ہوتا ہے۔ اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ خدا براہ راست مجھ سے مخاطب ہے اسی کو مقام فنا فی اللہ کہتے ہیں جس کے ثمرے میں سالک کے سر پہ بقا باللہ کا تاج رکھا جاتا ہے۔ حضور صلعم کی اس حدیث قدسی کا مفہوم بھی یہی ہے۔

لَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ عَیْنَهُ الَّتِیْ یُبْصِرُ بِهَا الخ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پس جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی دونوں آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

باب ۱۲۴: بایزید بسطامیؒ کے بارے دوسرے قصے کی تشریح

باب ۱۲۵: بایزید بسطامیؒ کے ایک مقولے کی تشریح

باب ۱۲۶: بایزید بسطامیؒ کا مشہور قول "سبحانی ما اعظم شانی" جس پر ابن سالمؒ نے ان کی تکفیر کی تھی

باب ۱۲۷: شبلیؒ کے بعض شطحیات اور ان کی تشریح۔

باب ۱۲۸: شبلیؒ کے بارے میں ایک قصے کی تشریح۔

باب ۱۲۹: شبلیؒ کے وہ افعال و اعمال جن کو ان کے ہمعصروں نے پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا۔

باب ۱۳۰: شبلیؒ کے ایک مقولے کی تشریح۔

باب ۱۳۱: ابوبکر الواسطیؒ کے ایک قول کی تشریح۔

باب ۱۳۲: ان لوگوں کی اغلاط (غلط فہمیاں) جو اپنے آپ کو زمرۂ صوفیہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کی غلط فہمی کا منبع۔ اصول سہ گانہ جو اسلامی تصوف کی بنیاد ہیں (۱) جملہ محرمات سے پرہیز و اجتناب (۲) تعمیل احکام شرعیہ (۳) ترکِ دنیا تا بحدِ امکان مومن۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ چار چیزیں ایسی ہیں جو اس

دنیا میں تو ہیں مگر اس دنیا سے نہیں ہیں (۱) قوت لایموت (۲) لباس (۳) مکان (۴) زوجہ۔ ان چار کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب بن جاتا ہے۔

باب ۱۳۳ : ان مختلف طبقات کے بیان میں جو مرتکب اغلاط ہوتے ہیں اور ان اغلاط کی انواع جن میں وہ گرفتار ہوتے ہیں (۱) جو اصول میں غلطی کرتے ہیں (۲) جو فروع میں غلطی کرتے ہیں (۳) جن کی غلطی لغزشوں تک محدود رہتی ہے۔

باب ۱۳۴ : ان لوگوں کے بیان میں جو فروعات میں ایسی غلطی کرتے ہیں جو ضلالت تک نہیں پہنچاتی۔ اولاً وہ گروہ جس نے فقر و غنا کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی۔

باب ۱۳۵ : ان لوگوں کے بیان میں جنہوں نے کفایت شعاری اور زہد کے مفہوم میں غلطی کی۔ ان لوگوں کا بیان جنہوں نے وسائل حصول معاش اور ترک وسائل کے باب میں غلطی کا ارتکاب کیا۔ بعض لوگ ترک اسباب کو مستحسن خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

باب ۱۳۶ : ان لوگوں کے بیان میں جو سعی میں فتور (سستی) کرتے ہیں اور مجاہدات کے باب میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور راحت طلب ہو جاتے ہیں۔ بعض صوفی سیر و سیاحت میں مشغول رہتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اکثر مشائخ سے استفادہ کیا ہے حالانکہ سیاحت کا مقصد اصلاح نفس ہے نہ کہ اکثر مشائخ سے ملاقات۔ بعض صوفی عوام کی دعوتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سخاوت کا اظہار کر رہے ہیں حالانکہ یہ تصوف نہیں تصوف کا مقصد یہ ہے کہ صوفی علائق دنیوی سے آزاد ہو جائے نہ یہ کہ وہ سخاوت میں مشہور ہو جائے۔

باب ۱۳۷ : ان لوگوں (صوفیوں) کے بیان میں جو ترک لذات اور خلوت نشینی کے باب میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب تک شیخ طریقت کسی سالک کو ان باتوں کا حکم نہ دے وہ خود ان طریقوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ خباثت نفس محض گرسنگی یا گوشہ نشینی سے زائل نہیں ہو سکتی۔ جب تک سالک کی طبیعت کا یہ تقاضا نہ ہو اور وہ بجبر و اکراہ گوشہ نشینی اختیار کرے تو یہ چیز اس کے حق میں مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو صوفی یہ سمجھتا ہے کہ محض صحرا نوردی سے توکل پیدا ہو جائے گا غلطی پر ہے۔ توکل کے لئے سب سے پہلے تزکیۂ نفس لازمی ہے۔ اسی طرح صوفیانہ لباس پہن لینے سے کوئی شخص صوفی نہیں بن سکتا۔ تصوف تو اصلاح باطن کا نام ہے نہ کہ پیوند لگی ہوئی گدڑی کا۔

باب ۱۳۸ : ان لوگوں کا بیان جو اصول میں غلطی کرتے ہیں اور ضلالت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان میں پہلا درجہ ان کا ہے جو حریت اور عبودیت کے باب میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جب تک بندہ واصل بحق نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے اور خدا کے درمیان عبودیت کا رشتہ

قائم رہتا ہے لیکن واصل ہو جانے کے بعد عبودیت کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور سالک یا عبد حریت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے حالانکہ عبودیت کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ان تمام القاب میں جو خدا نے بندوں کو عطا فرمائے ہیں "عبد" کا لقب سب سے اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص عبد سے اونچا مقام حاصل کر سکتا تو وہ آنحضرت صلعم ہیں لیکن آپؐ نے تا دم وفات عبداللہ ہونے پر فخر کیا۔

باب ۱۳۹ : عراق کے ان صوفیوں کے بیان میں جو اخلاص کے باب میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ یہ گمراہ طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ حقیقی مخلص وہ شخص ہے جو اللہ کی مخلوق سے قطعاً بیگانہ اور بے پروا ہو جائے اس غلط بینی اور غلط فہمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں کی اکثریت اباحت مطلقہ کی لعنت میں گرفتار ہو گئی۔ اخلاص تو بدی سے اجتناب، شریعت کی پابندی اور حسن اخلاق سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کہ ترک آداب سے۔

باب ۱۴۰ : اُن لوگوں کا بیان جن کو نبوت اور ولایت کے معاملے میں ٹھوکر لگی۔ بعض صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ ولایت، نبوت سے افضل ہے اس غلط فہمی کا مبنیٰ قصۂ موسیٰ و خضر میں عدم تدبر ہے (۱) کوئی ولی کوئی کرامت نہیں دکھا سکتا جب تک وہ اپنے زمانے کے نبی یا رسول کا متبع نہ ہو (۲) تابع اپنے متبوع سے اور مطیع اپنے مطاع سے افضل نہیں ہو سکتا (۳) انبیاء ہر وقت مہبطِ وحی و الہام ہوتے ہیں لیکن اولیا کو یہ نعمت ہر وقت نصیب نہیں ہوتی

باب ۱۴۱ : ان لوگوں کا بیان جو اباحت اور خطر (جائز اور ناجائز) کے معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے بعض صوفیوں کا خیال ہے کہ ابتداءً تمام اشیا مباح تھیں۔ حرمت صرف ان کی کثرت یا شدتِ استعمال میں ہے۔ لہٰذا اگر ہم تعدّی (تجاوز عن الاعتدال) کے مرتکب نہ ہوں تو ہر شے سے انتفاع کر سکتے ہیں اس طرح وہ گمراہی میں پڑ گئے وہ یہ نہیں غور کرتے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ابتداءً ہر شے محظور و ممنوع تھی۔ پھر وہ چیزیں جائز اور حلال ہو گئیں جن کو شارع علیہ السلام نے جائز قرار دیا۔

پاکی اور ناپاکی کا معاملہ دوسرا ہے۔ حلال و حرام کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا کرنا قیاس مع الفارق ہوگا۔ پاکی ناپاکی کا تعلق عبادت سے ہے اور عبادت میں آسانی مدنظر ہے جبکہ حلال و حرام کا تعلق املاک سے ہے۔

باب ۱۴۲ : اُن لوگوں کا ردّ جو غلطی سے مسلکِ حلول کے قائل ہو گئے۔ مصنف نے پہلے اس بات کی صراحت کی ہے کہ میں ذاتی طور پر فرقہ حلولیہ کے کسی فرد سے واقف نہیں ہوں، ان کے بارے میں میں نے دوسرے ذرائع سے اطلاع حاصل کی ہے۔

بعض حلولی کہتے ہیں کہ خدا بعض منتخب اجسام میں صفاتِ الوہیت داخل کر دیتا ہے (وہ اجسام بمنزلہ محل ہوتے ہیں اور صفات بمنزلہ حال ہوتی ہیں۔ اس دخول کو اصطلاح میں حلول کہتے ہیں کیونکہ وہ صفات داخل ہو کر قائم ہو جاتی ہیں) اور ان اجسام سے صفاتِ بشریت کا ازالہ کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ سراسر گمراہی ہے۔ اس سے توحید

الٰہی کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ گمراہی کا اثبات ہوتا ہے۔ جو کچھ کسی شئے میں ہے وہ اس شئے سے لازماً ہم جنس ہوتا ہے جس میں وہ ہے لیکن خدا اور بندے میں تو تباین کی نسبت ہے نہ کہ تساوی کی۔ پس خدا کسی انسان میں کیسے حلول کر سکتا ہے؟ خدا اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے ہر شئے سے مختلف ہے اور ہر شئے اس سے مختلف ہے۔ لیس کمثلہٖ شئیٌ۔ خدا مظاہرِ کائنات میں صرف اپنی صنعت اور قدرت کے آثار ظاہر کرتا ہے اور یہ آثار اس کی ربوبیت کی دلیل بن جاتے ہیں کیونکہ ہر مصنوع اپنے صانع کے اور ہر مولَّف اپنے مولِّف کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ حلولیہ اس لئے گمراہ ہوگئے کہ وہ اُس قدرت میں جو قادر کی صفت ہے اور اُن شواہد میں جو قدرت القادر پر دلالت کرتے ہیں تمیز نہ کر سکے۔ قدرت اور چیز ہے شواہد قدرت اور چیز ہیں۔ خود ان حلولیہ میں مختلف المقامات لوگ پائے جاتے ہیں لیکن یہ سب لوگ بالاجماع (اُمتِ اسلامیہ کے متفقہ فیصلے کی رُو سے) کافر ہیں۔ اللہ نے بعض انبیاء اور اولیاء کے اجسام کو بلاشک منتخب فرمایا ہے مگر نہ اس لئے کہ وہ خود ان میں سے کسی کے جسم میں حلول کرے بلکہ ان انبیاء اور اولیاء کے اجسام کو اپنی طاعت اور خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ان کو اپنی ہدایت سے زینت دی ہے اور اس طرح اپنی مخلوقات پر اُن کے فضل کو ظاہر کیا ہے۔ حلولیہ نے اوصاف الحق اور اوصاف الخلق میں امتیاز نہیں کیا۔ اللہ خود کسی انسان کے قلب میں حلول نہیں کرتا بلکہ الایمان بہ ضرور قلب میں حلول کر سکتا ہے اسی طرح اس کی ذات و صفات کی تصدیق و معرفت قلوب مومن میں حلول کر جاتی ہے۔ اور ایمان، تصدیق، معرفت یہ سب مخلوقات کے اوصاف ہیں نہ کہ خالق کے۔ قلبِ انسانی میں انسان کے صفات متمکن ہوتے ہیں نہ کہ خدا کے۔ کیونکہ اللہ خود کسی شخص کے اندر اپنی ذات یا صفات کے ساتھ حلول نہیں کر سکتا۔ تعالیٰ اللہ عزوجل عن ذٰلک علوًّا کبیرًا۔

باب ۱۴۳: ان لوگوں کے بیان میں جو فنائے البشریت کے معاملے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے بعض صوفیہ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جسم کو اذیت پہنچائی جائے، بھوکا پیاسا رکھا جائے، صحرا نوردی اختیار کی جائے، آبادی کو چھوڑ کر کسی غار میں رہا جائے، لباس کے بجائے لنگوٹی پر اکتفا کیا جائے وغیرہ تو صفات بشری فنا ہو جائیں گی اور صفات ایزدی پیدا ہو جائیں گی۔ یہ غلطی اس لئے لاحق ہوئی کہ ان لوگوں نے نظریۂ فنا کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ فنا سے مراد نہ تو فنائے ذات ہے نہ فنائے صفات۔ بشری صفات اور تقاضے کبھی فنا نہیں ہو سکتے۔ فنا کا مطلب فنا نفس نہیں ہے بلکہ تزکیۂ نفس ہے اور تزکیۂ نفس کا مطلب ہے اللہ کی صفات سے اپنے نفس کو منور کرنا۔ اور جب نفس منور ہو جاتا ہے تو اُسے اللہ کی صحیح معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتا ہے۔

باب ۱۴۴: ان لوگوں کے بیان میں جو رویت بالقلوب کے معاملے میں غلطی پر ہیں۔ مصنف رح نے لکھا ہے

کہ میں نے یہ سنا ہے کہ شام کے بعض صوفیہ اس کے مدعی ہیں کہ انہیں اس دنیا میں خدا کا دیدار ہوتا ہے جو اس دیدار سے مشابہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ سچے صوفیوں کی رویت تو مشاہدہ ہے جو یقین کا ثمرہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کی رویت جس کا ذکر سورۂ والنجم میں ہے وہ حضور صلعم سے مخصوص ہے اس میں کوئی شخص حضورؐ کے ساتھ شریک نہیں ہے یعنی اس زندگی میں کسی کو رویت باری نصیب نہیں ہوسکتی۔

باب ۱۴۵ : اُن لوگوں کے بیان میں جو صفاء اور طہارت کے معاملے میں غلطی پہ ہیں۔ بعض صوفیہ اس بات کا غلط دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں صفائے کامل و دائم نصیب ہو گئی ہے چنانچہ ان کا زعم یہ ہے کہ ایک انسان اس دنیا میں تمام عیوب اور کدورات اور علتوں سے پاک ہو سکتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کہ کوئی شخص دائمی طور پر تمام عیوب و نقائص سے پاک ہوسکے اور اس میں کوئی بشری کمزوری باقی نہ رہے۔ انسان کو لازم ہے کہ ہر وقت درگاہِ الٰہی میں توبہ کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون پاک و صاف ہو سکتا ہے مگر آپ بھی روزانہ سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔

باب ۱۴۶ : اُن لوگوں کے بیان میں جو انوار کے معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔ بعض لوگ اس بات کے مدّعی ہیں کہ ان کے قلوب میں انوارِ الٰہی جلوہ گر ہیں اور وہ ان کو دیکھتے ہیں اور یہ انوار وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی ذات سے منصف فرمایا ہے یعنی انوارِ ذاتیہ۔ اور یہ انوار اُن کے قلوب میں جلوہ گر ہیں اور یہ انوار غیر مخلوق ہیں اور یہ انوار، انوار المعرفت والتوحید والعظمت ہیں اور ازلی ہیں۔ یہ سب دعوے غلط ہیں۔ اس لئے کہ تمام انوار جو مشہود ہو سکتے ہیں مخلوق ہیں اور انوارِ الٰہی تو ناقابلِ مشاہدہ و ادراک ہیں۔ نورِ قلبی کا صحیح مفہوم نورِ الٰہی نہیں بلکہ وہ علم ہے جو اللہ بندوں کو عطا کرتا ہے جو ان کے لئے بمنزلہ فرقان بن جاتا ہے یعنی اس علم کی بدولت وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا" اے مومنو! اگر تم تقویٰ اللہ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں فرقان عطا فرما دے گا۔

باب ۱۴۷ : اُن لوگوں کے بیان میں جو "عین الجمع" کے باب میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ بعض صوفیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ہمیں اپنے افعال کی نسبت اپنی ذات سے نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس صورت میں ایک فعل کے دو فاعل ہو جائیں گے (بندہ اور خدا) اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ توحید باطل ہو جائے گی۔ یہ نظریہ غلط ہے۔ اللہ نے بندوں کے افعال کو بندوں سے منسوب کیا ہے۔ اس عقیدے نے انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ اور وہ لوگ قانونِ شرع سے غافل ہو گئے بایں طور کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں مجبور محض ہیں۔ ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ اصول اور فروع میں فرق نہ کر سکے اور جمع اور تفرقہ کے معانی نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے ان باتوں

کو جبر سے منسوب کر دیا جو تفرقہ سے متعلق ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اگرچہ ہر شے خدا کی طرف سے ہے لیکن اللہ نے بندوں کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بھی بنایا ہے۔

باب ۱۴۸ : ان لوگوں کے بیان میں جنہوں نے اُنس، بسط اور ترک الخشیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ چونکہ انہیں خدا کا قرب نصیب ہو گیا ہے اس لئے اب ان پر قوانین شرعیہ کی پابندی لازم نہیں رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ ان افعال کا ارتکاب کرنے لگے جن سے وہ مجتنب رہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ خیال سراسر باطل ہے۔ مقام قرب تو اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اتباع شریعت ترک کر دے گا تو وہ معاً مقام قرب سے محروم ہو جائے گا۔ ایسا شخص اپنے کو کتنا ہی مقبول بارگاہ سمجھے دراصل وہ مردود ہو چکا ہے۔

باب ۱۴۹ : ان لوگوں کے بیان میں جو فناء عن الاوصاف کے معاملے میں غلطی پر ہیں۔ بغداد کے بعض صوفیہ اس غلطی کا شکار ہو گئے کہ ہم چونکہ بشریت سے خالی ہو چکے ہیں اس لئے ہمارے اندر اوصاف الٰہیہ پیدا ہو گئے ہیں۔ دراصل یہ عقیدہ نصاریٰ کے عقیدہ حلول سے مشابہ ہے جس طرح وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ میں اوصاف خداوندی موجود تھے۔ دراصل اس غلط فہمی کا مبنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے فنا کا مفہوم یہ سمجھا کہ جب اوصاف بشری فنا ہو جاتے ہیں تو انسان میں اوصاف الٰہی پیدا ہو جاتے ہیں حالانکہ فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنے نفس کی خواہشات کو فنا کر دیتا ہے تو وہ اللہ کا کامل مطیع بندہ بن جاتا ہے۔ یہ ہے فنا کا وہ مفہوم جو توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ موحد وہ ہے جس کی مرضی اللہ کی مرضی میں گم ہو جائے۔ ان لوگوں کی غلط فہمی یہ ہے کہ یہ لوگ اوصاف الحق کو عین الحق سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے قلب میں حلول نہیں کرتا بلکہ اس پر ایمان، اس کی توحید اور تعظیم ذکر الٰہی سے شک یہ صفات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور یہ بات عوام اور خواص دونوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔

باب ۱۵۰ : ان لوگوں کے بیان میں جو زوال حس (فقدان المحسوس) کے معاملے میں غلطی میں گرفتار ہو گئے۔ بعض عراقی صوفیہ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ جب ان پر وجد طاری ہوتا ہے تو ان کے حواس ظاہری زائل یا فنا ہو جاتے ہیں اور وہ کسی شے کو محسوس نہیں کرتے اور خود وراء المحسوسات ہو جاتے ہیں یعنی ان صفات سے بالاتر ہو جاتے ہیں جو اشیاء محسوس کا خاصہ ہیں۔ ان کا یہ نظریہ باطل ہے کیونکہ فقدان حواس کا علم بھی تو حواس ہی کے ذریعے سے ممکن ہے اور حواس کا فقدان ہو چکا ہے تو ان صوفیوں کو یہ کیسے محسوس ہوا کہ ان کے حواس گم ہو چکے ہیں۔ یہ احساس کہ حواس گم ہو چکے، خود حواس کے موجود ہونے پر دال ہے۔ علاوہ بریں انسان جب تک جامہ بشریت میں ہے حواس سے بیگانہ یا عاری نہیں ہو سکتا۔ آنحضرتؐ سے بڑھ کر صاحب وجد کون ہو سکتا ہے۔

مگر آپؐ بھی کبھی حواس خمسہ سے بیگانہ یا بالاتر یا بے نیاز یا محروم نہیں ہوئے۔ تا بدیگراں چہ رسد؟ سچی بات وہ ہے جو سری سقطیؒ نے کہی ہے کہ بحالت وجد میں حواس عارضی طور پر محو ہو جاتے ہیں جس طرح نور آفتاب کے سامنے ستارے مگر دراصل وہ اپنی جگہ علی حالہا موجود رہتے ہیں، اسی طرح وجد میں انسان کو اپنے حواس کا عارضی طور پہ شعور باقی نہیں رہتا مگر حواس اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔

باب ۱۵۱ : ان لوگوں کے بیان میں جو روح کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ صوفیہ کی ایک جماعت نے روح کے متعلق غلط عقائد شائع کر دیئے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اُس مسئلے میں غور و خوض شروع کر دیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گمراہ ہو گئے۔ ہمارے لئے اس قدر کافی ہے کہ "روح" امر رب سے ہے یعنی اللہ کے حکم سے صادر ہوتی ہے لیکن اللہ نے اس کی ماہیت سے ہمیں مطلع نہیں فرمایا

(ا) بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ روح، خدا کے نورِ ذاتی کا ایک حصہ ہے چونکہ انہوں نے یہ توہم کیا کہ وہ اس کی ذات کا نور ہے اس لئے ہلاک ہوگئے۔

(ب) بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ روح، اللہ کی حیات میں سے حیات کا ایک حصہ ہے۔

(ج) بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ تمام ارواح مخلوق ہیں۔

(د) بعض کا خیال ہے کہ عوام کی ارواح تو مخلوق ہیں مگر خواص کی ارواح قدیم ہیں۔

(ہ) بعض صوفیہ تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔

(ز) بعض کہتے ہیں کہ کافر کی روح مومن کی روح سے مختلف النوع ہوتی ہے۔

(ح) بعض کہتے ہیں کہ مسلم عوام کے جسم میں، اولیا اور انبیا کے جسم میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ کافر کے جسم میں صرف ایک روح ہوتی ہے۔

(ط) بعض کہتے ہیں کہ روح نور سے پیدا ہوتی ہے۔

(ی) بعض کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر روحانی ہے جو عالم ملکوت کی مخلوق ہے۔ اور جب اس کا تزکیہ اور تجلیہ ہو جاتا ہے تو اپنی اصل (ملکوت) کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

(ک) بعض کہتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک انسانی روح دوسری الٰہی روح

(ل) مذکورہ بالا تمام نظریات غلط ہیں اور آیت قرآنی "وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" کی نافرمانی کا نتیجہ ہیں۔ مصنفؒ کی رائے میں راسخ العقیدہ صوفیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ

(م) تمام ارواح مخلوق ہیں۔ خدا اور ارواح میں کوئی علاقہ یا رابطہ نہیں ہے۔ کیونکہ حادث اور قدیم میں کوئی علاقہ یا رابطہ متصور نہیں ہو سکتا۔ تمام ارواح اللہ کی مخلوق اور تابع فرمان ہیں۔ تناسخ ارواح کا عقیدہ سراسر ضلالت

اور کفر ہے (تناسخ کا مطلب ہے روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتے رہنا) اسی طرح اجسام کی مانند ارواح پر موت طاری نہیں ہوتی وہ جسمانی رنج و راحت (لذت و الم) حظ و کرب سے متأثر ہوتی ہیں۔ اور قیامت کے دن اپنی اجسام میں اٹھائی جائیں گی جن میں وہ قبل وفات تھیں اور بعد وفات نکلی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کی روح کو ملکوت سے اور جسم کو مٹی سے بنایا تھا۔ اہلِ حق نے ان گمراہ فرقوں کے رد میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اس لئے میں صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ سب فرقے گمراہ ہیں۔ اور قائل تناسخ ارواح کافر ہیں۔

انتخاب از کتاب اللمع

فہرست مضامین اور خلاصۂ مطالب سے قارئین کو اس کتاب کی اہمیت کا کچھ اندازہ ضرور ہو جائے گا۔ اس کے بعد ذیل میں اس کتاب سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں تاکہ انہیں کتاب سے مزید واقفیت حاصل ہو سکے۔

(۱) باب فی ذکر اصحاب رسول اللہ صلعم ومعانیهم رضی اللہ عنہم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ المُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (۹ - ۱۰۱)

اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (قبول اسلام میں) سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے داخل اسلام ہوئے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں[1]

(باقی آئندہ)

---

[1] اس صراحت کے باوجود جو بعض مہاجرین رض کو کافر یا منافق قرار دے وہ بلا شبہ منکر قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رح

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

تعارف کتب

"الٹے بانس بریلی کو"

مصنف مفتی محمد احمد خاں رضوی۔ سائز ۳۰×۲۰/۱۶ صفحات ۱۲۰، کاغذ، کتابت اور طباعت معمولی۔ قیمت ایک روپیہ۔ شائع کردہ ہمیروز اکیڈمی، پبلیپنز کالونی اسے لائل پور۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس شخص کے قلم سے نکلی ہے جو خود دبستان بریلویت اور مسلک قادریت کا ایک مستند ترجمان اور نمائندہ ہے۔

اس کتاب میں خدا ترس مصنف نے اپنے ہم مشرب و ہم مسلک علماء سے التجا کی ہے کہ انہیں اتحاد بین المسلمین کی خاطر اکابرین دیوبند کی تکفیر سے اجتناب لازم ہے کیونکہ ان اکابر کی مدح اور تعظیم ایسے ایسے علمائے امت اور اولیائے ملت نے کی ہے جن کی امامت اور ولایت اکابر بریلی کو بھی مسلّم ہے۔ اگر اکابر دیوبند کو کافر کہا جائے گا تو ان کی مدح کرنے والوں کی تکفیر بھی لازم ہوگی اور جب وہ حضرات کافر ہوگئے تو بریلوی مسلک کے علما بھی کافر قرار پائیں گے کیونکہ بریلوی علما بھی ان حضرات کو اولیا اور صلحا قرار دیتے ہیں لہٰذا بریلوی مولویوں کو دوسروں کی خاطر نہ سہی اپنے اکابر کو تکفیر کی زد سے بچانے کے لئے علمائے دیوبند کی تکفیر سے باز رہنا چاہیئے۔

فاضل مصنف نے یہ کتاب لکھ کر واقعی دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ جس طبقے کی اصلاح کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے اس پر اتنا اثر بھی مرتب نہیں ہوگا جتنا "بھینس پہ بین کا"۔ یہ طبقہ شریفہ تیسری صدی ہجری سے اس مقدس فریضۂ مذہبی کو انجام دیتا چلا آرہا ہے۔ اسی طبقے کی ترغیب و تحریص کی بدولت بغداد کی گلیاں کئی دفعہ احناف اور شوافع اور حنابلہ کے خون سے سیراب ہوئیں اور آج بھی گوجرانوالہ، ملتان، جھنگ اور ساہیوال کے مسلمان اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو چکے ہیں۔ ایک ہزار سال کی یہ عادت ایک کتاب سے کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے اکبر الہ آبادی نے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ کی وہ دور بھلا کب ہوتی ہے — پاکٹ میں جنٹری رکھی ہے پتلون کے نیچے دھوتی ہے

۲- اوّلیات صدیقی یعنی "صدیق اکبرؓ کا پہلا نمبر"

مولفہ محمد سلطان نظامی سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۱۶ صفحات۔ کاغذ سفید، کتابت اور طباعت دیدہ زیب۔ ناشرین جمعیت محبین صحابہ رضؓ چوک شہید گنج۔ لنڈا بازار لاہور،

یہ ٹریکٹ بظاہر تو نہایت مختصر ہے لیکن اپنے مشمولات و مندرجات کے اعتبار سے دس جز کی کتاب پر بھی بھاری ہے۔ بلاشبہ مولف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس کتابچے کے مطالعے کے بعد ہر طالب حق اور غیر متعصب قاری صدق دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ واقعی حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور اُن سے بڑھ کر رسول اللہ صلعم کی جانشینی کا مستحق کوئی صحابی نہیں تھا مولف نے اختصار کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں، بارگاہِ رسالت میں، صحابہ کرام کی نگاہ میں، حضرت علیؓ کی نگاہ میں اور اولاد علیؓ کی نگاہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام رفیع کو واضح کر کے اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کر لیا ہے۔ آخری دو صفحوں میں مولف نے اوّلیات صدیقی درج کی ہیں جن کی تعداد ۴۵ ہے۔

کیا شان ہے صدیق اکبرؓ کی! جب اسلام لاتے تو ۴۰ / ۵۰ ہزار درہم نقد اُن کے پاس موجود تھے لیکن جب وفات پائی تو اپنے محبوبؐ کی طرح ترکے میں نہ کوئی دینار چھوڑا نہ کوئی درہم۔

جب حضورؐ نے پوچھا "عیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ؟" تو عاشق صادقؓ نے جواب دیا "اللہ و رسولہ"

کیا خوب کہا ہے اقبال نے ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

۳- فیصلہ ہفت مسئلہ

مولفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۴۰ صفحات، کاغذ ولایتی، طباعت آفسیٹ : ناشر محکمہ اوقاف مغربی پاکستان لاہور۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے حسب ذیل سات مسائل پر دبے دبے الفاظ میں اظہار خیال فرمایا ہے :۔

(۱) مولود شریف (۲) فاتحہ مروجہ (۳) عرس اور سماع (۴) غیر اللہ کو پکارنا (۵) جماعت ثانیہ (۶) امکانِ نظیر (۷) امکانِ کذب

حاجی صاحب قبلہ شیخ العرب و العجم بھی ہیں اور میرے روحانی پیشوا شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شیخ طریقت بھی ہیں اس لئے میں آں محترم کے ارشادات عالیہ پر تنقید تو نہیں کر سکتا صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ آنجنابؒ نے ملت مرحوم کی بہبود کو مد نظر رکھ کر ان مسائل کی تشریح

اس انداز میں فرمائی ہے جس کو قبول کر لینے سے بریلوی دیوبندی نزاع کی شدت میں کمی ہو سکتی ہے یہ فیصلہ ۱۸۹۵ء میں سپرد قلم کیا گیا تھا۔ تاریخ اور حالات دونوں گواہ ہیں کہ شدت میں کمی تو کیا ہوتی کچھ اور اضافہ ہی ہوا ہے۔ پچاس سال کا تو میرا مشاہدہ ہے کہ بریلوی حضرات کسی مفاہمت پر آمادہ ہی نہیں ہو سکتے۔ وہ شاتمین صحابہؓ سے اتحاد کر سکتے ہیں مگر دیوبندیوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آنحضرت صلعم کو صفات ایزدی سے متصف کرنا اور اولیائے امت کو امور کائنات میں متصرف یقین کرنا اور غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا مسجدوں کی دیواروں پر یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ لکھ کر اللہ، رسول اور قرآن تینوں کی تکذیب کرنا، صاحبانِ قبور سے مرادیں طلب کرنا۔ مصیبت کے وقت انہیں یاد کرنا یہ باتیں ان حضرات کے مذہب کا سنگ بنیاد ہیں اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حضرات حاجی صاحب قبلہ یا کسی دوسرے دیوبندی بزرگ کی التجا یا استدعا پر کیسے کان دھر سکتے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ خدا کو تو کفار مکہ بھی مانتے تھے۔ پھر وہ آنحضرت صلعم کے دشمن کیوں ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ ان سے یہ فرماتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی شخص تمہارا کارساز یا دستگیر یا حاجت روا یا مشکل کشا یا ناصر یا حامی یا وکیل یا محافظ یا کاشف الضر نہیں ہے۔ بس یہی صورت بریلوی دیوبندی نزاع میں ہے تو مصالحت کیسے ہو سکتی ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ نہیں ہوئی اور قیامت تک نہیں ہو سکے گی۔ آخر میں مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنی چاہتا ہوں کہ وہ ان مسائل کی نوعیت پر غور کرکے بوقت فرصت اپنی قوم کی بدبختی پر ماتم کریں کہ یہ قوم تبلیغ دینِ حق کے فرض منصبی سے غافل ہو کر ایک ہزار سال سے کس لعنت میں گرفتار ہے اور کیسے کیسے مسائل میں منہمک ہے۔ چونکہ کارواں کے دل سے احساس زیاں بالکل جاتا رہا ہے اس لئے کوئی شخص یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ صحابہ کرام رضؓ جن کی اتباع بریلویوں پر لازمی ہے ان میں سے کسی ایک مسئلے سے بھی واقف نہیں تھے۔ وہ دن رات جہاد میں مشغول رہتے تھے انہیں اس دور از کار مسئلے پر غور کرنے کی فرصت ہی کہاں تھی؟ کہ اللہ تعالیٰ محمد عربی (صلعم) کا مثل پیدا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اب ہم نہ جہاد کرتے ہیں نہ تبلیغ اسلام کرتے ہیں صرف اپنے بھائیوں کو کافر بنانے میں مشغول رہتے ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے!!

---

(۴) سیرت نبویؐ کا پیغام طلبہ کے نام

مرتبہ ظفر احمد خاں و اختر علی خاں۔ صفحات ۴۴، کاغذ سفید، طباعت آفسٹ قیمت درج نہیں۔ شائع کردہ: انجمن طلبہ۔ این ای ڈی، گورنمنٹ انجینئرنگ کالج کراچی۔

این ای ڈی انجینیرنگ کالج سٹوڈنٹس یونین کی آرٹ سوسائٹی نے سال رواں میں ربیع الاوّل کے موقعہ پر یہ مجلہ سیرت شائع کیا ہے۔ اس میں مرتبین نے سیّد قطب شہید، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال، مولانا مودودی، محمد عبدالحی اور نعیم صدیقی صاحب کے پرانے اور نئے مضامین شامل کئے ہیں۔ جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت و بعثت کا مقصد دعوتِ ایمان و عمل صالح بتایا گیا ہے۔ بعض میں مقصد تحریک کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔ دو تین نظمیں بھی شامل ہیں۔

چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں :-

قرآن کا طریق انقلاب۔ پیغمبر اعظمؐ کا مشن۔ نبی اکرم کا اصلی کارنامہ۔ سیرت کے جلسے اور مطالعہ سیرت کیوں اور کیسے؟

کتاب میں کتابت کی غلطیاں　　رہ گئی ہیں۔　　(ع۔ د)

صفحہ نمبر ۱۸ پر تفسیر میں سورۂ اعراف کی آیات ۱۰۳ تا ۱۷۱ نقل ہونے سے رہ گئی ہیں جس کا ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

جماعتِ اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی ؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے ؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس،

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

ضخامت ۲۳۶ صفحات ، سائز بڑا ، طباعت آفسٹ ، مجلد مع گرد پوش

قیمت چار روپے - علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱

دارُالاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عُمومی نشرواشاعت

ہے : تاکہ

① عوام کی توجُّہات قرآن حکیم کی جانب مُنعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اُس کی محبّت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

② بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور اُن میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پُوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کیلئے وقف کر دیں۔

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

Regd. No. L 7360

Monthly **MEESAAQ** Lahore

Vol 17 | DECEMBER 1970 | No. 11—12

ہماری مطبوعات

(۱)

اسلام کی نشاۃ ثانیہ ۔ کرنے کا اصل کام

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد ۔ ۔ قیمت ایک روپیہ

(۲)

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد ۔ ۔ قیمت ایک روپیہ

(۳)

اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار

تالیف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) ایم اے ، پی ایچ ڈی۔ڈی لٹ

قیمت قسم اعلیٰ ڈیڑھ روپیہ قسم ادنیٰ ایک روپیہ

(۴)

قرآن اور امن عالم

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد ۔ ۔ قیمت پچاس پیسے

(۵)

قرآن اور پردہ

تالیف : مولانا امین احسن اصلاحی ۔ ۔ قیمت ساٹھ پیسے

(۶)

دعوت دین اور اس کا طریق کار

تالیف : مولانا امین احسن اصلاحی ۔ ۔ قیمت پانچ روپے

(۷)

اقامت دین

تالیف : مولانا امین احسن اصلاحی ۔ ۔ قیمت پچاس پیسے

:o:

دارالاشاعۃ الاسلامیہ

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور 1 ۔ (فون 69522)

پبلشر : محی الدین ، طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ لاہور